مثنوی

حزنِ اختر

(واجد علی شاہ کی آپ بیتی)

مرتبہ

امجد علی خاں

Marfat.com

Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ

Marfat.com

Marfat.com

5235

مثنوی

حزنِ اختر

(واجد علی شاہ کی آپ بیتی)

— مُرتبہ —

امجد علی خاں

Marfat.com

(جملہ حقوق بحق مرتب)

یہ کتاب اتر پردیش اردو اکاڈمی کے مالی اشتراک سے شائع ہوئی

اور

اتر پردیش اردو اکاڈمی کا اس کتاب کے اندراجات سے متفق ہونا لازمی نہیں۔

اشاعت ۱۹۸۱ء

133877

تعداد .. .. .. چھ سو

مطبوعہ .. .. .. نامی پریس لکھنؤ

ناشر .. .. .. مرتب

قیمت .. .. .. تیس روپے

تقسیم کار

واجد علی شاہ اکاڈمی ۵۶۔ کچا احاطہ لکھنؤ

۲۲۶۰۰۱

Marfat.com

فہرستِ مضامین

انتساب		۴
عرض حال		۵
پیش لفظ	ڈاکٹر انیس اشفاق	۷
بیان واقعی (مقدمہ)	امجد علی خاں	۱۱
مثنوی حزن اختر	واجد علی شاہ اختر	۱۱۱
فرہنگ اسمار مع اشاریہ ..		۱۷۹
فرہنگ الفاظ		۲۰۷
فہرست ماخذ		۲۱۹

تصاویر

۱۔ سلطان عالم واجد علی شاہ کی جوانی کی ایک نایاب تصویر۔

۲۔ سلطان عالم واجد علی شاہ کے بڑھاپے کی ایک نایاب تصویر۔

Marfat.com

انتساب

شاہانِ اودھ کی روایتوں کے حامل اور ان کے
لائق وارث
شہزادہ انجم قدر صاحب
نبیرۂ حضرت برجیس قدر بہادر آخری تاجدار اودھ
خلف اکبر حضرت سلطان عالم واجد علی شاہ اختر
بادشاہ اودھ کے نام

—— امجد علی خاں

Marfat.com

عرضِ حال

تصنیف و تالیف کے کام کے لیے جس اہلیت، صلاحیت اور قابلیت کی ضرورت ہے وہ مجھ جیسے کم علم آدمی کو میسر نہیں مگر اس دشوار ترین راہ کو اس لیے اختیار کرنا پڑا کہ آزادی کے بعد بھی انگریزی عہد کی مسخ شدہ تاریخ جوں کی توں رہی اور اسلاف کے مضحک کارٹون پیش کیے جانے کا سلسلہ جاری رہا۔ یہی نہیں بلکہ انگریزی عہد کی اس مسخ شدہ تاریخ کو بنیادی تاریخ تسلیم کر کے پیش کیا جانے لگا۔ لہٰذا اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ تاریخ اودھ کو صحیح سیاق و سباق میں پیش کیا جائے۔

راقم الحروف ایک مدت سے اودھ اور فرماں روایان اودھ کے حالات سے متعلق کاغذات، کتابیں اور اہم تاریخی چیزیں جمع کر رہا ہے تاکہ اس خطہ کی ایک مبسوط اور حقیقی تصویر پیش کی جا سکے، اس سے قبل میری دو کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں، زیر نظر کتاب بھی اسی مقصد کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

مثنوی حزن اختر واجد علی شاہ کی منظوم آپ بیتی ہے جو تاریخی حیثیت

Marfat.com

سے کافی اہمیت رکھتی ہے۔ ایک مدت سے یہ مثنوی نایاب تھی۔ اسی کے ساتھ واجد علی شاہ کی زندگی کا ایک مجمل خاکہ بھی پیش کر دیا گیا ہے۔

میں ممنون ہوں ڈاکٹر عبدالاحد خاں خلیل صاحب اور پروفیسر شبیہ الحسن صاحب نونہروی کا کہ ان حضرات نے اس کتاب کا مسودہ ملاحظہ فرمایا اور اہم مفید مشوروں سے سرفراز فرمایا۔ میں شکرگزار ہوں ڈاکٹر نیر مسعود صاحب اور جناب اظہر مسعود صاحب کا جن کی بدولت مجھے پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب مرحوم کے کتب خانہ سے استفادہ کرنے کی سہولت فراہم ہوئی۔ میں جناب رئیس آغا صاحب کا احسان مند ہوں، انھوں نے مجھے سید کمال الدین حیدر کا نایاب قلمی نسخہ مطالعہ کے لیے مرحمت فرمایا۔ جناب علی جواد زیدی صاحب کا بھی متشکر ہوں وہ میرے واسطے مثنوی حُزنِ اختر کا پہلا ایڈیشن علی گڑھ سے لائے۔ میں اپنے نوجوان دوست ڈاکٹر انیس اشفاق صاحب کا ممنون کرم ہوں جنھوں نے میری گزارش پر اس کتاب کا پیش لفظ تحریر فرمایا۔ پیش لفظ کی صورت میں موصوف کا یہ نقشِ اول ہے اس لیے ان کی یہ تحریر ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔ میں اپنے بزرگ دوست جناب سبط محمد نقوی صاحب کا بھی ممنون ہوں جو وقتاً فوقتاً مجھے تاریخ اودھ پر کچھ نہ کچھ لکھتے رہنے کی ترغیب دیتے رہتے ہیں۔ جناب محمد رشید صاحب اور جناب عابد اختر صاحب کرمانی کے تعاون کا بھی میں معترف ہوں۔ فقط۔

امجد علی خاں

۱۳ اپریل ۱۹۸۱ء

Marfat.com

پیش لفظ

تاریخ کا ناقص مطالعہ اور حالات و حوادث کا معاندانہ تجزیہ تاریخ نگار کے اخذ کردہ نتائج کو مہمل اور مضحکہ خیز بنا دیتا ہے۔ ایک محتاط اور ذمہ دار مورخ اپنے ماحصل کے اعتبار و استناد کے لیے نہ صرف معتبر ترین ماخذوں تک رسائی حاصل کرتا ہے بلکہ واقعات کا جائزہ لیتے وقت اپنی شخصیت کو ہر قسم کے تعصبات سے بلند کر لیتا ہے۔ اعلیٰ اور معیاری تاریخ محض دستیاب معلومات کی جمع آوری ہی سے وجود میں نہیں آتی۔ اس کے لیے حقائق کی جانبدارانہ مدلل اور منطقی تشریح ضروری ہے۔ اگر تاریخ لکھنے والا کسی مخصوص نقطۂ نظر کا پابند ہے تو وہ ایک عمدہ تاریخی تجزیے میں کام آنے والے دوسرے اہم عناصر کو نظر انداز کر دیتا ہے اور یوں اس کی تاریخ اکہرے اور سطحی مشمولات کا مجموعہ بن جاتی ہے اور ان مشمولات سے مستنبط نتائج بھی یک رنگ اور یک جہت ہو جاتے ہیں۔

سلطان عالم واجد علی شاہ کی تاریخ لکھتے وقت بھی ہمارے تاریخ دانوں

Marfat.com

نے دو متخالف اور متضاد نقطہ ہائے نظر کو اختیار کیا۔ ایک طرف اس بادشاہ کو فقط عیاش اور بزدل ثابت کرنے کی کوشش کی گئی اور دوسری طرف محض ثقہ اور شجاع بتایا گیا۔ ان دو انتہا پسندانہ نظریوں کی تشکیل میں استیعاب و استدلال کے بجائے چند مخصوص اور یک رخے پیمانوں سے کام لیا گیا، نتیجتہً واجد علی شاہ کی صحیح شناخت ممکن نہ ہوسکی۔ اس شناخت کے لیے ضروری تھا کہ تاریخ کا از سرِ نو مطالعہ کیا جائے اور مختلف رایوں اور تجزیوں کی روشنی میں سلطان عالم پر لگائے گئے اتہامات کی تردید کی جائے نیز ایسے ذرایع تلاش کیے جائیں جن سے ان اتہامات کی از خود نفی ہو جائے۔

امجد علی خاں نے تاریخ اودھ پر اپنے نمایندہ تصانیف "تاجدارِ اودھ" اور "تاریخ اودھ کا مختصر جائزہ" میں جس استشہاد و استدلال کے ساتھ واقعات کا جائزہ لیا ہے اس نے انھیں اودھ کے معتبر مورخین کی صف میں کھڑا کر دیا ہے۔ انگریزی اور ہندوستانی مورخوں کے بالاستیعاب مطالعے کے بعد انھوں نے تاریخ اودھ کا ایک نیا افق تلاش کیا ہے۔ وہ اودھ سے متعلق برابر نئے اور مستند ماخذوں کی جستجو کرتے رہتے ہیں اور دستیاب ماخذوں میں اپنے منفرد تاریخی شعور سے نئے زاویے تلاش کرتے رہتے ہیں۔ مثنوی حزنِ اختر کی تدوین بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

حزنِ اختر واجد علی شاہ کی آپ بیتی ہے۔ یہ مختصر منظوم خود نوشت واجد علی شاہ کی شخصیت کے نئے اور مختلف پہلوؤں کو سامنے لاتی ہے اور اس سے اُس عہد کے صحیح واقعات کا علم ہوتا ہے۔ حزنِ اختر سے ایک طرف بادشاہ کی مذہب سے وابستگی کا اندازہ ہوتا ہے اور دوسری طرف آپ کی شرافت نفس کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ انتہائی نامساعد حالات میں بھی بادشاہ نے نہ صرف اپنے رفقائے کار

Marfat.com

کی رفاقتوں کو یاد رکھا بلکہ اپنے ادنیٰ ترین خدمت گاروں کے خدمات کا بھی بصد خلوص اعتراف کیا۔ قید و بند کی صعوبتوں میں لکھی جانے والی یہ سوانح جہاں سلطان عالم کی شخصیت اور کردار پر روشنی ڈالتی ہے وہاں مختلف علوم و فنون میں ان کی مہارت اور کمال کو بھی ظاہر کرتی ہے۔ واجد علی شاہ نے اس مثنوی میں موسیقی اور سپہ گری کی اصطلاحوں کا جس کثرت سے استعمال کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ ایک ماہر موسیقار بھی تھے اور ایک مشاق سپہ گر بھی۔

منظوم ہونے کے باوصف حزن اختر میں شعری محاسن بہت کم نظر آتے ہیں۔ واجد علی شاہ نے اپنی یادداشتوں اور قید خانے میں درپیش مسائل و مصائب کو محض شاعرانہ پیرایے میں بیان کر دیا ہے۔ یہاں نہ سحرالبیان کی سی روانی ہے اور نہ گلزارِ نسیم کی سی بامحاورہ اور استعاراتی زبان۔ اس لیے حزنِ اختر صنفِ مثنوی کی حیثیت سے ایک نمائندہ مثنوی کے تمام مطالبات پورے نہیں کرتی، تاہم ۱۲۳۹ اشعار پر مشتمل یہ منظومہ شاعری سے نہ صرف واجد علی شاہ اختر کے بے پناہ شغف کو ظاہر کرتا ہے بلکہ کہیں کہیں الفاظ کے شاعرانہ اور تخلیقی استعمال پر اختر کی غیر معمولی گرفت کا بھی پتہ دیتا ہے۔

اس طرح حزنِ اختر کسی شاعرانہ مرتبے کی متقاضی نہیں ہے۔ یہ تاریخی معلومات کا ایک اہم ذخیرہ ہے اور اسی لیے مرتب نے اپنے مقدمے میں اس کی شاعرانہ حیثیت کو منوانے کی کوئی کوشش نہیں کی ہے۔ انھوں نے خود کو اس داستان میں بیان کردہ واقعات کی نوعیت اور اہمیت تک ہی محدود رکھا ہے۔ مقدمہ واجد علی شاہ کی ولادت سے لے کر وفات تک کے حالات کو محیط ہے اور اس میں مختلف شواہد و براہین کے ذریعے سلطان عالم کی شخصیت اور کردار کا جائزہ لیا گیا ہے۔ حقیقتہً اس مثنوی پر ایک طویل اور مبسوط مقدمے

Marfat.com

کی ضرورت تھی۔ امجد علی خاں نے یہ کام بخوبی انجام دیا ہے۔ انھوں نے مختلف تاریخ دانوں کے نظریات سے مدلل بحث کرنے کے بعد اپنے نتائج کو مثنوی کے معلومات کی مدد سے زیادہ معتبر اور مستحکم کر دیا ہے۔ مقدمے کے علاوہ انھوں نے اس حزنیہ کہانی میں مذکور اسمائے رجال کے تفصیلات مہیا کیے ہیں اور بڑی محنت اور دیدہ ریزی سے اس آپ بیتی میں مستعمل الفاظ اور اصطلاحات کی فرہنگ تیار کی ہے۔ اس طرح حزنِ اختر کی تدوین امجد علی خاں کا ایک اہم کارنامہ ہے جو ایک طرف ہمارے علمی اور تاریخی معلومات میں اضافہ کرتا ہے اور دوسری طرف ہمیں واجد علی شاہ کی اصل شخصیت سے روشناس کراتا ہے۔

بادشاہ اودھ کے اس حیات نامے کی نئی ترتیب و تقدیم واجد علی شاہ کے عہد کا ایک جدید مطالعہ ہے۔ میں تاریخ کے ایک ادنیٰ طالب علم کی حیثیت سے اس کتاب کے مرتب کا متشکر ہوں کہ انھوں نے ایک اہم تاریخی دستاویز کو نئے انداز سے متعارف کرایا ہے۔

انیس اشفاق

۴ اپریل ۱۹۸۱ء

Marfat.com

بیان
واقعی

Marfat.com

"ہمارا دعویٰ ہے کہ حضرت سلطان ابن سلطان خاقان ابن خاقان ابو المنصور ناصر الدین سکندر جاہ بادشاہ عادل قیصر زمان سلطان عالم محمد واجد علی شاہ اختر سابق شاہ اودھ اردو کی ہر صنف میں قادر الکلام تھے اور نظم کے ہر صیغے میں آپ نے داد سخن دی ہے۔"

—— خواجہ محمد عبدالرؤف عشرت لکھنوی

"واجد علی شاہ کے کریکٹر کی نسبت نہایت ہی مختلف خیالات ظاہر کیے جاتے ہیں یا یوں کہنا چاہیے کہ بعض ظالموں کی ناجائز کارروائیوں سے قومی وقعت کا جنازہ بڑی بے عزتی کے ساتھ اٹھایا جاتا ہے۔ جہاں تک غور کیا جائے ہم مرحوم کو کسی حیثیت سے موردِ الزام نہیں ٹھہرا سکتے۔"

—— مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی

"راقم الحروف کی عمر اب اسّی برس کی ہے۔ اپنے لڑکپن میں میں نے ایسے بہت سے سن رسیدہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو دیکھا ہے جن کی آنکھوں میں واجد علی شاہ کے ذکر پر آنسو بھر آتے تھے۔"

سید مسعود حسن رضوی ادیب

"واجد علی شاہ کی زندگی ایک والیٔ ریاست کی حیثیت سے غیر معمولی نیکی اور نیک چلنی کی زندگی تھی۔"

—— پنڈت سندر لال

Marfat.com

○

اودھ کی تاریخ میں واجد علی شاہ کے ساتھ جو بے انصافی کی گئی ہے اور اس مظلوم بادشاہ کو بدنام کرنے کی غرض سے مورخین نے جو بے بنیاد افسانے گڑھ کر تاریخ کے اوراق سیاہ کیے ہیں اس کو آنے والی نسلیں کبھی معاف نہیں کریں گی کیونکہ آج انگریزی نظام کے پردے فاش ہو چکے ہیں - اب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ واجد علی شاہ کے خلاف غرض مند پروپیگنڈہ بازوں کے گڑھے ہوئے افسانے بے بنیاد تھے۔ اگر تاریخ کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو ہم دیکھیں گے کہ واجد علی شاہ تو انسانیت شرافت کا ایک پیکر تھے اور ان کا عہد سنہری عہد تھا۔

آج اودھ کی وہ تاریخ جو انگریزی دور میں لکھی گئی مشکوک ہو کر رہ گئی ہے۔ مورخین نے نہ صرف اودھ کی بلکہ پورے ہندوستان کی تاریخ کو مسخ کر دیا تھا۔ لہٰذا آج اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ انگریزی دور کی پوری تاریخ کو تحقیق و تفتیش کی روشنی میں از سر نو لکھا جائے تاکہ آنے والی نسلیں گمراہ نہ ہوں اور اپنے اسلاف پر تھوپے گئے الزامات اور گڑھے ہوئے افسانوں کو سن کر شرمندہ نہ ہوں۔

بقول ڈاکٹر سید صفدر حسین کہ "ہمارا ذہنی رشتہ نہ مرزا ابو طالب اصفہانی سے ہے جنہوں نے انگریزوں کی خوشنودی مزاج کے لیے آصف الدولہ پر "تفضیح الغافلین"

کا بہتان لگایا تھا، نہ ہمارا جذباتی تعلق کمال الدین حیدر سے ہے جس نے "سوانح سلاطین اودھ" میں انگریز قوم کی رعایت کے لیے تاجدار اودھ کی ناخوشی قبول کی، اور نہ ہم حکیم نجم الغنی رامپوری کے قبیلے سے ہیں کہ حافظ رحمت خان کا انتقام لینے اور انگریزی حکومت سے دس ہزار روپیے وصول کرنے کے خیال سے شاہان اودھ کی سیرتوں سے متعلق بے سروپا قصے تخلیق کر کے ان کا مضحک کارٹون بنا دیں[1]۔" ہمارا مدعا تو یہ ہے کہ واجد علی شاہ کے صحیح خط و خال کو تاریخی حقائق کی روشنی میں پیش کر دیں۔

ولادت

واجد علی شاہ کی تاریخ ولادت میں بہت اختلاف ہے۔ منشی رام سہائے تمنا نے اپنی کتاب افضل التواریخ میں واجد علی شاہ کی ولادت کی تاریخ یہ لکھی ہے:

"۱۰ ذی قعدہ ۱۲۳۸ھ مطابق سمبت ۱۸۷۹ ساون سودی دوادشی روز سہ شنبہ بعد ۵۸ گھڑی ۲۹ پل جیشٹا نچھتر اندر یوگ ......"[2]

جھبّو لال معجز نبیرہ رائے جیتی لال خیرآبادی نے واجد علی شاہ کی جو تاریخ ولادت کہی ہے اس سے بھی ۱۲۳۸ھ نکلتے ہیں۔ معجز نے جو تاریخ ولادت کہی وہ یہ ہے ؎

آسماں جاہ و ثریا منزلست | میرزا احمد علی فرخ نژاد
دید در مشکوے دولت روئے ماہ | غیرت بر عیس و مہر با مداد
شمع بام جان چراغ زندگی | جلوہ گر شد در شبستان مراد
گفت جھبّو لال معجز از طرب | قرۃ العین پدر عالی نہاد[3]
۱۲۳۸ھ

---

[1] لکھنؤ کی تہذیبی میراث ص ۱۳ ۔ [2] افضل التواریخ ص ۹۷ ۔ [3] افضل التواریخ ص ۹۷

Marfat.com

نجم الغنی نے بھی ۱۰ ذی قعدہ ۱۲۳۸ھ روز سہ شنبہ ولادت کی تاریخ بتائی ہے[1]۔

پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیب تحریر فرماتے ہیں:

"اب اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ واجد علی شاہ ۱۰ ذی قعدہ ۱۲۳۷ھ مطابق ۳۰ جولائی ۱۸۲۲ء کو پیدا ہوئے[2]۔"

راقم الحروف کی ناچیز رائے میں واجد علی شاہ کی ولادت کا سال ۱۲۳۸ھ مطابق ۱۸۲۳ء ہے۔ کیونکہ معجز کے قطعۂ تاریخ پر اعتماد نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اب رہا ماہ کا سوال تو ۱۰ ذی قعدہ کی تاریخ پر تمام مورخین متفق ہیں لہٰذا اس تاریخ کو درست سمجھنا چاہیے۔

ابتدائی حالات

ثریا جاہ امجد علی خاں ابن نصیر الدولہ بہادر نے اپنے اس بچے کا نام مرزا واجد علی خاں رکھا۔ بادشاہ غازی الدین حیدر کا عہد تھا۔ بادشاہ غازی الدین حیدر، مرزا واجد علی خاں کے دادا کے بڑے بھائی تھے۔ نواب سعادت علی خاں کی وفات کے بعد جب مسند نشینی کا معاملہ درپیش ہوا تو نصیر الدولہ بہادر جو اپنے باپ کے عہد میں نائب سلطنت تھے اور مالی و ملکی معاملات میں کافی تجربہ رکھتے تھے، جانشینی کے لیے ان کا نام بھی لیا گیا مگر تاج شاہی تو بڑے مرزا عرف غازی الدین حیدر کی قسمت میں پہلے لکھا تھا۔

اس زمانہ میں شہزادوں اور مرشد زادوں کا جو طریقہ تربیت تھا اسی انداز پر مرزا واجد علی خاں کی پرورش ہونے لگی۔ پروفیسر سید مسعود حسن رضوی

---

[1] تاریخ اودھ ص۳۶ ج ۵۔ [2] سلطان عالم واجد علی شاہ ص۳۱۹۔

Marfat.com

ادیب کا کہنا ہے :

" واجد علی شاہ کی ابتدائی تعلیم و تربیت کا تفصیلی بیان نہیں ملتا۔ وزیر السلطان نواب سید محمد امیر علی خاں امیر لکھتے ہیں کہ وہ کچھ دن درسی کتابیں پڑھنے میں مصروف رہے، کامل اتالیقوں اور فاضل استادوں کی صحبت میں اپنی فطری ذہانت و ذکاوت سے بہت کچھ سیکھ لیا۔ بعض دوسرے کمالات جن کی تعلیم ارباب سلطنت اور اصحاب معدلت کے لیے واجب و لازم ہے، بڑی تندہی کے ساتھ آسانی سے حاصل کر لیے۔ خود واجد علی شاہ کا بیان ہے کہ جب عمر کے پانچ برس گزرے تو باپ نے مکتب کے حوالے کر دیا۔ نواب امین الدولہ امداد حسین خاں ان کے خاص اتالیق تھے۔ علم طب کی دو کتابیں میزان الطب اور شرح اسباب ان سے بھی پڑھیں[1]۔"

شادی

پندرہ برس کی عمر میں مرزا واجد علی خاں کی شادی ہوئی۔ خود واجد علی شاہ اپنی شادی کا ذکر یوں کرتے ہیں۔

" جب میرا سن پندرہ برس کا ہوا تو میرے والدین کو میری شادی کی فکر ہوئی اور جستجو کے بعد انھوں نے چاہا کہ منیر الدولہ بہادر کی لڑکی سے (اب جن کا خطاب تاج دار بہو صاحبہ ہے اور میرے بھائی مرزا اسکندر حشمت کے عقد میں اور میری حقیقی چچی کی دختر میری نسبتی بہن ہیں) شادی کی جائے لیکن میں نے منظور نہ کیا۔ اس کا

---

[1] سلطان عالم واجد علی شاہ ص۲۴-۲۵۔

Marfat.com

سبب قابلِ ذکر نہیں ۔ اس کے بعد سیف الدولہ بہادر کی لڑکی سے (جو گونڈے بہرائچ کے چکلہ دار تھے) نسبت قرار پائی لیکن چند وجوہ سے وہ بھی معطل رہی ۔"

"پھر ایک میری نسبتی چچی جن کا نام وزیر صاحبہ بنت میر کلن ہے اور وہ میری والدہ ماجدہ کی نسبتی بہن اور اب تک بقید حیات ہیں ان کی دختر سے نسبت کا پیغام دیا گیا۔ انھوں نے بہ طیب خاطر منظور کیا۔ چونکہ وزیر صاحبہ کی دختر برص کے عارضہ میں مبتلا تھیں اور اُسے انھوں (وزیر صاحبہ) نے پوشیدہ کیا تھا نسبت ترک ہوگئی ۔"

"بعد ازاں بذریعہ جانی خانم جو میری دادی نجم النسا بیگم صاحبہ کی منہ بولی دختر اور آج کل پیشہ مشاطگی کرتی ہیں ۔ نواب علی تقی مرحوم ابن شریف الدولہ مرحوم بن مدار الدولہ مرحوم کی دختر نیک اختر سے میری نسبت کا پیام دیا گیا، چونکہ یہ خاندان عالی تھا میں نے بخوشی خاطر قبول کیا اور میرے والدین بھی ہنسی خوشی راضی ہوئے ۔ آخر کار ۱۲۵۳ھ ۲۵ شعبان المعظم کو مانجھے کی رسم قرار پا کر اس پر عملدر آمد ہوا لیکن بقضائے الٰہی میری سسرال میں میری زوجہ کی چچی سلطان بیگم صاحبہ مرحومہ نے انتقال کیا اور اس طرف میرے چچا اصغر علی خاں ناصر الدولہ بہادر خلف اکبر حضرت فردوس منزل اور والد ممتاز الدولہ بہادر نے رحلت کی اس وجہ سے رسم کتخدائی میں بہت زیادہ تاخیر ہوئی اور میں دو مہینے تک مانجھے کے کپڑے پہنے رہا جو اتنے دن گذر جانے سے بے حد کثیف ہو گئے تھے ۔"

الغرض دو ماہ کے بعد حسب معمول دنیا رسم حنا بندی و کتخدائی

Marfat.com

سے فراغت پائی جو بہت ہی تزک واحتشام سے وقوع پذیر ہوئی[1]۔

مرزا واجد علی خان کی شادی میں بادشاہ وقت شاہ نصیر الدین حیدر نے شرکت فرمائی یا نہیں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ بہرکیف بقول واجد علی شاہ شادی تزک واحتشام سے ہوئی۔

دادا کو بادشاہت ملنا

ہندوستان میں مغل سلطنت کا چراغ ٹمٹما رہا تھا اور انگریزوں کی قسمت کا آفتاب جگمگا رہا تھا۔ ملک میں ایسٹ انڈیا کمپنی اپنے اقتدار اور حکومت کو بے دریغ بڑھاتی چلی جا رہی تھی۔ جنگ بکسر کے بعد انگریزوں نے اودھ کی سلطنت میں بھی دخل اندازی شروع کر دی۔ لیکن شجاع الدولہ جیسے بیدار مغز نواب کے آگے انگریزوں کی ایک نہ چلی۔ مگر ان کی آنکھ بند ہوتے ہی انگریزوں کی بن آئی۔ انھوں نے سیاسی چالوں کے جال بچھا کر اودھ کی سلطنت میں اپنے قدم مضبوطی سے جما لیے اور بنگال کی طرح یہاں بھی نواب کو بے دست و پا کر دیا۔ اب اودھ کا نواب انگریزوں کی مٹھی میں تھا۔ اگر کسی نواب نے ذرا بھی تیور بدلے تو وہ معزول ہو کر قید ہو گیا۔

الغرض اودھ کا ہر فرماں روا انگریزوں کی سازشوں کا شکار رہا۔ نواب آصف الدولہ نے انگریزوں کی چالبازیوں سے تنگ آ کر جان دے دی۔ نواب وزیر علی خاں انگریزوں کی سازش کا شکار ہوا اور ساری عمر قید میں گزری۔ نواب سعادت علی خاں کو خود انگریزوں نے زہر دے کر ختم کر دیا۔ شاہ غازی الدین حیدر اور شاہ نصیر الدین حیدر انگریزوں کی مٹھی میں رہے اس کے باوجود انگریزوں

---

[1] محل خانۂ شاہی صـ ۱۱-۱۲۔

نے شاہ نصیرالدین حیدر کو زہر دلوا دیا۔ شاہ نصیرالدین حیدر کا بیٹا جب انگریزوں کی مرضی کے خلاف تخت نشین ہو گیا تو انگریزوں نے اسی وقت اُسے گرفتار کر لیا اور اس کے بجائے دوسرا جانشین تلاش کر لیا گیا۔ سبط محمد نقوی صاحب لکھتے ہیں :

"نصیرالدین حیدر کو معزول کرنے اور اودھ کو کمپنی کی عملداری سے ملحق کرنے کا سوال زیرِ غور تھا۔ ۱۸۳۳ء میں محکمۂ داخلہ نے عارضی طور پر انتظام ہاتھ میں لے لینے کی ہدایت بھی گورنر جنرل کو کر دی تھی۔ مگر یا تو اس وجہ سے کہ لارڈ ولیم بنٹنگ گورنر جنرلی سے سبکدوش ہونے والے تھے یا اودھ کے باشندوں کے رخ سے سہم کر انھوں نے تاکید و تہدید کافی سمجھی عملی اقدام نہ کر سکے۔ اس لیے رزیڈنٹ جان لو نے مقامی طور پر انتظام کر لیا اور نصیرالدین حیدر کو راستے سے ہٹا کے کارآمد جانشین تلاش کر لیا گیا ظاہر ہے کہ اگر تخت مستحق کو ملتا تو اس سے من مانی شرطیں منوانا آسان کیا شاید ممکن ہی نہ ہوتا۔ سلطنت کے اصلی وارث، فریدوں بخت مرزا رفیع الدین عرف محمد مہدی منا جان فرزند نصیرالدین شاہ کو محروم اور غازی الدین حیدر کے نواسے محسن الدولہ اور ان کے بھتیجوں یعنی نواب شمس الدولہ کے فرزندوں کو نظر انداز کر کے نصیرالدین حیدر کے چچا اور غازی الدین حیدر کے چھوٹے بھائی نواب نصیرالدولہ محمد علی خاں سے سودا پٹایا گیا۔"[۱]

---

[۱] امجد علی شاہ صفحہ ۶۸ - ۶۹

Marfat.com

الغرض اس صورت مرزا واجد علی خاں کے دادا نصیر الدولہ بہادر محمدؐ علی شاہ کا لقب اختیار کرکے اودھ کے تخت پر جلوہ افروز ہوئے۔

باپ کا ولی عہد ہونا

محمد علی شاہ نے تخت نشین ہونے کے بعد اپنے فرزند ثریا جاہ امجد علی خاں بہادر کو ولی عہد نامزد کیا۔ مرزا واجد علی خاں اپنے باپ کی ولی عہدی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"میری شادی ہوکر ابھی پانچ ہی ماہ گزرے تھے کہ نصیر الدین حیدر بہادر نے اس دنیائے فانی سے منھ موڑ کے عالمِ بقا کی راہ لی۔ اس کے بعد میرے دادا نصیر الدولہ بہادر فردوس منزل نے تخت نشین ہوکر عنانِ حکومت سنبھالی اور ہر شخص کو اس کے رتبہ کے مطابق انعام و خطاب مرحمت فرمایا اور میرے والد محترم حضرت جنت مکاں کو ولی عہدی کا خلعت سرفراز فرمایا۔ ہر چھوٹے بڑے کی معقول تنخواہوں سے عزت بڑھائی۔ لیکن مجھے اور میری زوجہ کو اپنی عنایت سے مفتخر نہ فرمایا۔"

"میرا مشاہرہ مقرر نہ ہونے کی اصل وجہ یہ تھی کہ حضرت فردوس منزل مغفور بڑے عاقل اور زیرک آدمی تھے۔ انھوں نے یہ سوچا کہ حضرت جنّت مکاں کے بعد میں ہی ریاست کو سنبھالنے کا اہل ہوں۔ غالباً اسی وجہ سے انھوں نے اپنی تخت نشینی کے وقت اپنا مورد عنایات بنانا پسند نہ کیا بس یہی ایک بات میری سمجھ میں آتی ہے۔"

"یہ حال دیکھ کر میرے والد ماجد ولی عہد بہادر ثریا جاہ حضرت

Marfat.com

جنت مکاں نے اپنی جیب خاص سے میرا پانچ سو روپے اور میری بیوی کا چار سو روپے ماہانہ وظیفہ مقرر فرمایا اس خیال سے کہ میں کہیں افسردہ خاطر نہ ہو جاؤں"[1]

ولی عہدی

محمد علی شاہ پانچ برس سلطنت کر کے ۵ ربیع الثانی ۱۲۵۸ھ مطابق ۱۶ جولائی ۱۸۴۲ء کو انتقال کر گئے اور ان کے بیٹے ثریا جاہ امجد علی خاں بہادر ان کے جانشین ہوئے۔ امجد علی شاہ نے اپنے بڑے بیٹے مصطفٰے علی حیدر کو نااہل سمجھ کر اپنے دوسرے بیٹے مرزا واجد علی خاں کو اپنا ولی عہد مقرر کر کے ابو المنصور سکندر جاہ سلیمان حشم صاحب عالم بہادر خطاب دیا اور قلم دان کی خدمت ان کے سپرد کر دی[2]۔ آنند ساگر شریشٹھ لکھتے ہیں:

"۔۔۔۔ واجد علی عوام میں مقبول، قابل اور سمجھدار انسان تھے انھوں (امجد علی شاہ) نے اعلان کر دیا، وہی ولی عہد قرار دیے جاتے ہیں رزیڈنٹ کو اس فوری اعلان پر بڑا غصہ آیا۔ مصطفٰے علی خاں کے تخت نشیں ہونے کے بعد وہ اپنے بنائے ہوئے منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کا خواب دیکھ رہا تھا۔ واجد علی اس کی مرضی کے برخلاف پختہ ارادے کے انسان تھے۔۔۔ اب انھیں چاہیے تھا کوئی ایسا نواب جو ۱۸۰۱ء کے عہد نامہ کی شرطوں کے برعکس اپنے آپ کو ناکارہ عیاش ثابت کر سکے۔ اُن (انگریزوں) کے لیے واجد علی شاہ کے رنگ ڈھنگ ٹھیک نہیں تھے۔ مصطفٰے علی ان کے خیال میں کامیاب ہو سکتے تھے۔ امجد علی شاہ

---

[1] پری خانہ صفحہ ۲۰-۲۱، [2] سلطان عالم واجد علی شاہ صفحہ ۲۸-۲۹

Marfat.com

نے اسی کو ولی عہدی سے الگ کر دیا[1]۔"

مرزا واجد علی خاں نے ولی عہد ہوتے ہی فوج کی ترتیب و تنظیم کی طرف خاص توجہ فرمائی اور اپنی نگرانی میں فوجوں کی از سرِ نو تشکیل فرمائی۔ نماز صبح سے فارغ ہو کر فوج کو قواعد خود کراتے جب یہ حال انگریزوں نے دیکھا تو انھوں نے امجد علی شاہ پر دباؤ ڈال کر ولی عہد کی فوجی سرگرمیوں کو موقوف کروا دیا۔ عشق نامہ فارسی میں خود واجد علی شاہ لکھتے ہیں:

"میری طبیعت فرقہ سپاہ سے بہت مالوف اور اس کی نگہداشت کی طرف بہت متوجہ تھی۔ لیکن آمدنی کی کمی خرچ کی زیادتی اور والد کی ممانعت کی وجہ سے اس کی نوبت کہاں آسکتی تھی"[2]۔

ولی عہد نے فوجی انتظام کو درست کرنے کے لیے نہایت قابل، لائق اور تجربے کار لوگوں کو بھی ملازم رکھا تھا۔ خود واجد علی شاہ ایک فوجی افسر کی تعریف میں لکھتے ہیں:

"۔۔۔ حاجی محمد شریف کو جاں باز سرکار مرزا ولی عہد بہادر کرنیل حاجی شریف علی خاں، خطاب دے کر مقرر اور ممتاز فرمایا۔ کرنیل مذکور نے قواعد میں اتنی سعی و کوشش کی کہ قواعد کے گھوڑے مثل آہنی دیوار کے معلوم ہوتے تھے۔ وہ کسی سپاہی سے ایک حبّہ رشوت نہیں لیتا تھا اور اس کا حکم فوج پر ایسا تھا کہ کیا مجال جو قواعد کے میدان میں کوئی کسی سے بات کر سکے"[3]۔

---

[1] واجد علی شاہ (ہندی)، صہ ۲۲ ؛ [2] عشق نامہ فارسی صہ ۸ بحوالہ سلطان عالم واجد علی شاہ صہ ۳۳ ، [3] عشق نامہ فارسی صہ ۹ بحوالہ سلطان عالم واجد علی شاہ صہ ۳۴۔

133877

Marfat.com

الغرض انگریزوں کے دباؤ اور امجد علی شاہ کی ممانعت کی وجہ سے ولی عہد نے مجبوراً و مصلحتاً فوجی معاملات میں دلچسپی لینا موقوف کر دی اور ولی عہد ہونے کے بعد جس انہماک کے ساتھ مالی و ملکی کاموں کو انجام دینے کی غرض سے متوجہ ہوئے تھے اس میں بھی کمی کر دی ۔ یہی انگریزوں کا منشا تھا ۔

پری خانہ

واجد علی شاہ غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک (GENIUS) تھے۔ ان کی طبیعت بلا کی جدت پسند تھی ۔ جب فوج کی سرگرمیاں موقوف ہوگئیں تو انھوں نے ہندستانی موسیقی اور ڈرامے کے فروغ دینے کے لیے ان فنون کی طرف توجہ فرمائی ۔ ولی عہد کو بچپن ہی سے ناچنے گانے کا بےحد شوق تھا وہ سبق پڑھتے وقت اکثر تال کے ساتھ اپنے پیروں کو حرکت دیا کرتے تھے[1] غرض حسین اور خوش گلو عورتیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر جمع کی گئیں جو عورتیں ناچ گانے کے فن میں کامل نہ تھیں، ان کی تعلیم کے لیے استاد مقرر کیے گئے اور اچھے اچھے سازندے نوکر رکھے گئے ۔ یہ عورتیں اور ان کے استاد بہار محفل والے کہلاتے تھے ۔ خود واجد علی شاہ اپنے پری خانہ کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں :

> "اسی درمیان میں ایک مختصر مکان برائے تعلیم قواعد علم موسیقی تجویز کیا گیا فرش فروش معہ پردہ اور دیگر سامان آرائش و زیبائش وغیرہ سے اچھی طرح سج کر پری خانے کے نام سے موسوم کیا گیا جو پریوں اور سرو دیوں کے قبضہ میں رہتا تھا ۔ صحن مکان میں سفید سنگ مرمر کا فرش کیا گیا اور اس پر چینی کے نفیس نفیس گلدستے قاعدے

---

[1] لکھنؤ کا شاہی اسٹیج ص ۶۹ ۔

Marfat.com

سے جا بجا رکھے گئے جگہ بجگہ تختوں کے چوکے اور پلنگ وغیرہ بچھائے گئے دروازہ مکان پر ترک سوارنیوں کا پہرہ مقرر کر دیا تھا اور تاکید کر دی تھی کہ سوائے نجم النساء بیگم اور امن، امامن یا پریوں اور سرودیوں کے دوسرے لوگ اندر نہ جا سکیں۔۔ مجھ کو جلسہ کی ترتیب دینے اور گانے والیوں کے جمع کرنے کا بہت خیال تھا اس سبب سے سازندے اور علم موسیقی کے کاملوں کی تلاش بہت تھی کہ پریوں کو تعلیم دی جائے اور ان کی مشق ترقی پذیر ہو ایک روز اسی تلاش و جستجو میں امن و امامن دونوں بہنوں نے عرض کی میرے عزیز و لواحق اس علم میں اپنا جواب نہیں رکھتے ہیں میں نے ان کو حاضر ہونے کا حکم دیا ایک دن ایک محفل مثل عروس و ماہ شب چہاردہ آراستہ کر کے خاص مکان کے برج کی چلمنیں چھوڑ کر ان کے عزیزوں کے آنے کے انتظار میں مع ان دونوں بہنوں کے ستار لے کر بیٹھا کہ چار شخص ایک ان کا باپ نتھو خان تھا دوسرا ان کا چچا غلام نبی تیسرا ان کا برادر نسبتی گھمن خان چوتھی ان کی ماں۔ بھائی غلام حیدر نے آکر مجرا کرنا اور سرود بجانا شروع کیا اور چلمن کے پیچھے میں بھی ستار بجانے میں مشغول تھا واقعی اس وقت سماں بندھا تھا کہ درو دیوار انجم ماہ متحیر تھے ہر ایک کی زبان سے صدائے واہ واہ جاری تھی، ان کا گانا اس قدر پر تاثیر تھا کہ میں نے اپنا منہ چلمن پر رکھ دیا آخر اس فن میں ان کے باپ اور برادر نسبتی کو ملازم رکھا اور وہ دونوں حور پری اور سلطان پری کی تعلیم کے واسطے مقرر ہوئے

Marfat.com

اور بھی صدہا قلتبان اور ناچنے والے کامل ملازم ہوئے ثابت علی اور بھجو خان دونوں حقیقی بھائی سازندوں میں دوسری پریوں کے لئے نوکر ہوئے"[1]

بہرکیف پری خانہ آراستہ ہوگیا اور اس میں موسیقی، رقص اور ڈرامے کی مشق ہونے لگی۔ عام خیال یہ ہے کہ واجد علی شاہ نے پری خانہ کا قیام عیاشی کے لیے کیا تھا لیکن ایسا نہیں تھا۔ واجد علی شاہ موسیقی، رقص اور ڈرامے کو ایک فن کی حیثیت سے فروغ دینا چاہتے تھے فنون لطیفہ کی سرپرستی ہندوستان کے بادشاہوں اور راجاؤں کا معمول تھا۔ سید مسعود حسن رضوی ادیب فرماتے ہیں:

"اس میں شک نہیں کہ واجد علی شاہ اپنے زمانہ میں موسیقی اور رقص کے سب سے بڑے سرپرست تھے۔ ہندوستان کی پیچیدہ اور مشکل کلاسیکی موسیقی کو آسان اور عام پسند بنانا ان کا خاص کارنامہ ہے اور لکھنوی ٹھمری اور بھیرویں کی مقبولیت انھیں کی مرہون منت ہے۔ لیکن ناٹک کے فن پر ان کا احسان موسیقی سے بھی زیادہ ہے۔ یہ فن ہمارے ملک میں بالکل ذلیل ہو چکا تھا اور صرف ادنی طبقوں میں بہت بگڑی ہوئی صورت میں باقی رہ گیا تھا"

"واجد علی شاہ نے اس کو ذلت کے گڑھے سے اٹھا کر عزت کے سنگھاسن پر بٹھایا اور گلی کوچوں سے نکال کر شاہی محل میں پہنچایا۔ فنونِ لطیفہ کے اس عظیم سرپرست نے اس سلسلے میں جو کچھ کیا اس کی تفصیل اس کتاب کے آئندہ ورقوں میں ملے گی۔ یہاں صرف

---

[1] محل خانہ شاہی صفحہ ۴۷-۴۹

Marfat.com

ایک بات کہنا ہے۔ واجد علی شاہ سر سے پاؤں تک پکے ہندوستانی تھے۔ انگریزوں سے انھیں مطلق انس نہ تھا اور ان کے دربار میں انگریزوں کا ذرا سا بھی دخل نہ تھا۔ کلکتہ اور بمبئی میں انگریزی طرز کے اسٹیج مدّت سے قائم تھے اور ان کے متعلق تفصیلی معلومات حاصل کر لینا ان کے لیے کچھ بھی مشکل نہ تھا۔ مگر انھوں نے لکھنؤ میں جس اسٹیج کی بنیاد ڈالی وہ خالص ہندوستانی تھا۔ اس میں ہندوستان کے قدیم اسٹیج کی پیروی قدم قدم پر نظر آتی ہے۔"

آگے مسعود صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"واجد علی شاہ کے زمانے تک اردو میں ڈرامے کا وجود نہ تھا۔ اس اہم صنفِ ادب کی بنیاد ڈالنے پر فخر ان کے لیے اٹھ رہا تھا۔ انھوں نے ولی عہدی کے دنوں میں رادھا کنھیا کی داستان محبت پر مبنی ایک چھوٹا سا ناٹک لکھا جو ہماری خوش قسمتی سے اب تک موجود ہے۔ فنّی اعتبار سے اس کا درجہ کچھ بھی ہو، اردو کا پہلا ڈراما ہونے کی حیثیت سے وہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ حضرت مصنّف ڈرامے کے ساتھ ساتھ اداکاروں کے لیے ہدایتیں (stage directions) بھی لکھتے گئے ہیں۔ جن سے اس ادب پارے کی اہمیت اور بڑھ گئی ہے۔ ... واجد علی شاہ موسیقی اور رقص کے صرف سرپرست ہی نہ تھے بلکہ انھوں نے ان فنون کو بڑی محنت سے حاصل کیا تھا۔ ممکن ہے کہ وہ استادی کا درجہ نہ رکھتے ہوں، لیکن ان کی متعدد تصنیفیں گواہ ہیں کہ ان کو ان

فنون میں اچھا خاصہ دخل ضرور تھا۔ لکھنؤ کے مشہور باکمال رقاص مہراج بندادین فخریہ کہا کرتے تھے کہ رقص کی بہت سی صورتیں خود بادشاہ نے مجھ کو سکھائی ہیں۔"

"..... واجد علی شاہ موسیقی کو مزے کے لیے نہیں، بلکہ علم کی حیثیت سے سیکھنا سکھانا چاہتے تھے۔ وہ اس کے لیے خود بھی بڑا ریاض کرتے تھے اور دوسروں سے بھی اس کی توقع رکھتے تھے اور ڈوم ڈھاڑیوں کا سا مزاج ان کو بہت ناپسند تھا۔" [1]

تخت نشینی

امجد علی شاہ کی وفات کے بعد ۲۶ صفر ۱۲۶۳ھ مطابق ۱۳ فروری ۱۸۴۷ء کو مرزا واجد علی خاں تخت نشین ہوئے اور ابو المنصور سکندر جاہ بادشاہ عادل قیصر زماں سلطان عالم محمد واجد علی شاہ کا لقب اختیار کیا۔ اس وقت ان کی عمر شمسی حساب سے تئیس (۲۳) برس چھ مہینے چوبیس دن اور قمری حساب سے چوبیس (۲۴) برس تین مہینے انیس دن کی تھی۔ رسم تاج پوشی کے لیے واجد علی شاہ تخت گاہ میں داخل ہوئے مجتہد العصر والزماں مولانا سید محمد صاحب (متوفی ۱۲۸۴ھ ۱۸۶۷ء) نے اپنے ہاتھ سے ان کے سر پر تاج رکھا [2] اس کے بعد وہ تخت پر جلوہ افروز ہوئے۔ جس قدر اراکین سلطنت حاضر تھے سب نے نذریں پیش کیں سلامی کی توپیں سر ہوئیں۔ واجد علی شاہ کے جلوس کی تاریخیں بہت ہیں ان میں ایک تاریخ بطور نمونہ پیش ہے ؎

شہ واجد علی الحمد للہ ۔۔۔ بہ لیل بست و ہفتم از ہمیں ماہ
کہ بہ نوک زبان اہل کشور ۔۔۔ معرف با صفر ماہ مظفر
بشکل ماہ شد بر تخت تاباں ۔۔۔ جہاں روشن شد از شمع چراغاں

---

[1] لکھنؤ کا شاہی اسٹیج امتیاز ۲۱۔ [2] محل خانہ شاہی ص ۱۲۔

Marfat.com

دعا گو یافت نقدِ کامیابی   بد اندیشش فتاد اندر خرابی
سوال سال مسعودِ جلوسش   طلب واثق نمود از ہاتفی خوش
چکید از سال کلکش مثل بیبے   سریرِ سلطنت را داده زیبے[1]

مہاراجہ جے گوپال ثاقب نے سکہ کہا ہے

سکہ زد بر سیم و زر از فضل و تائید الٰہ
ظلِ حق واحد علی سلطانِ عالم بادشاہ[2]

جلوس کے دوسرے دن بادشاہ نے سب مصاحبان خاص وغیرہ کو عمدہ تلواریں، خلعتوں اور معقول خطابوں سے سرفراز فرمایا[3] جلوس کے تیسرے دن ہی سے واجد علی شاہ نے سلطنت کے کاموں میں تیزی کے ساتھ سخت محنت کرنا اور دلچسپی لینا شروع کر دی۔ پری خانہ برخواست ہو گیا۔ شریف اور نیک پریوں کو بادشاہ نے گھر بٹھا لیا۔ ناچ گانے کی محفلیں موقوف ہو گئیں۔ واجد علی شاہ کو فوج کی ترتیب و تنظیم کا شوق تو پہلے ہی سے تھا لہٰذا بادشاہ ہوتے ہی ایک بار پھر انھوں نے فوج کی تنظیم کی طرف توجہ فرمائی۔ بادشاہ نے کئی نئی پلٹنیں اور رسالے بھرتی کیے اور ان کے نام زبان اردو میں بانکا، ترچھا، گھنگور، اختری نادری وغیرہ رکھے ان کی تعلیم کے لیے قواعد کے الفاظ و احکام فارسی میں خود اختراع کیے۔ سپاہیوں کے لیے رنگ رنگ کی بانات اور مخمل کی وردیاں بنوائیں۔ ان کے ساز و سلاح آئینوں کی طرح چمکتے تھے۔ خود بدولت نماز صبح پڑھ کے جنگی لباس پہن کے گھوڑے پر سوار ہو کے فوج کا معائنہ فرماتے اور سپاہیوں کو قواعد کرواتے تھے۔ آفتاب کی تپش اور میدان کے گرد و غبار میں تین تین چار

---

[1] افضل التواریخ صفحہ ۹۵ - [2] وہی صفحہ ۱ - [3] محل خانہ شاہی صفحہ ۱۲۳۔

Marfat.com

چار گھنٹے مردانہ سرگرمیوں میں عرق ریزی کرتے تھے اور تفنگ آزمائی، نیزہ بازی شمشیر زنی اور گولہ اندازی کی ورزشیں ملاحظہ فرماتے تھے۔ جن فوجیوں کا کام امتحان کی کسوٹی پر پورا اترتا تھا ان کو شاہانہ انعامات اور مناسب القاب و خطاب سے نوازتے تھے[1] ان کا اصول تھا کہ دفتر روز جاتے تھے۔ پابندی کے ساتھ دوپہر تک دفتر کا کام دیکھتے تھے۔ ہر ایک محکمہ کا افسر اعلیٰ دوپہر تک اپنے کام پر موجود رہتا تھا۔ مظلوموں کی دادرسی کے لیے چاندی کے دو مقفل صندوق جن پر شغلۂ سلطانی عدل نوشیروانی کے الفاظ کندہ تھے بادشاہ کی سواری کے ساتھ چلتے تھے تاکہ ہر شخص اپنی عرضی بے روک ٹوک ان میں ڈال دے۔ بادشاہ ان صندوقوں کو خود کھولتے تھے اور عرضیوں پر مناسب احکام صادر فرماتے تھے جن کی فوراً تعمیل کی جاتی تھی[2]

واجد علی شاہ بحیثیت بادشاہ

ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں میں شاید ہی کوئی ایسا بادشاہ گذرا ہو جو واجد علی شاہ کا جیسا قابل، اہل، لائق، نیک خو اور سو سے بھی زیادہ کتابوں کا مصنف ہو۔ اگر انگریز امور سلطنت میں بے جا مداخلت نہ کرتے اور واجد علی شاہ کو آزادانہ طور پر حکومت کرنے کا موقع ملتا تو اس بادشاہ کے عہد کی تاریخ سنہری حرفوں سے لکھی جاتی لیکن واجد علی شاہ ایسے وقت میں بادشاہ ہوئے جب انگریز ایسٹ انڈیا کمپنی کی آڑ میں اپنی سلطنت کی بنیادوں کو مستحکم کر چکے تھے اور توسیع ملک کی ہوس میں دیوانے ہو رہے تھے۔ واجد علی شاہ

---

[1] سلطان عالم واجد علی شاہ ص ۳۶ ۔

[2] سلطان عالم واجد علی شاہ ص ۳۲ ۔

Marfat.com

کو ولی عہدی کے زمانہ ہی سے ان نازک حالات کا اندازہ تھا۔ اس لیے انھوں نے تخت پر بیٹھتے ہی امورِ سلطنت میں نہایت دلچسپی کے ساتھ سخت محنت کرنا شروع کر دی۔ تواریخ نادر العصر کا مؤلف لکھتا ہے:

"اول سال جب یہ بادشاہ تخت نشین ہوئے یہ منظور تھا کہ تمام علاقجات قلمرو سلطانی حضور تحصیل ہوجائیں زمیندار اور تعلقدار اپنے وکلا کی معرفت زر آمدنی داخل خزانہ سلطانی کیا کریں ناظم اور چکلہ دار موقوف ہوجائیں کہ یہ علاقوں پر جا کر زیادہ ستانی اور تنگ طلبی کرنے ہیں رعیت تباہ اور نقصان سرکار بھی ہوتا ہے۔ لیکن اہلکاروں نے کہ ان کی حاصلات روپے کی جاتی تھی اس حکم کو جاری شد ہونے دیا۔ آغاز میں دو پلٹیں تقرئی تیروں پر بنام شغلِ سلطانی ہمراہ رکاب سرکار بادشاہ رہتے تھے مستغیث اپنی عرضداشتیں اس میں ڈال دیتے تھے اور طبیعت بھی نہایت رسا اور چالاک تھی۔ ترتیب فوج بآئین تازہ ہوتی تھی یعنی قانون رزمیہ زبان فارسی میں موجد طبع عالی تھا ترچھے اور بانکے دو رسالے اور اختری اور نادری دو پلٹنیں تلنگوں کی بموجب ہدایت اور تعلیم بادشاہ کے کام کرتی تھیں۔ بادشاہ آپ قواعد لیتے تھے اور روش اور بول چال سکھاتے تھے۔ ایک دن نواب علی نقی خاں نے عرض کی کہ یہ امر خلاف مزاج صاحب ریذیڈنٹ بہادر کے ہے لہٰذا بادشاہ نے بالکل اس طرف سے کنارہ کیا ..... ۔" [1]

---

[1] تواریخ نادر العصر ص ۱۲۵-۱۲۶۔

Marfat.com

واجد علی شاہ کے اوصاف کے بارے میں بھی مؤلف تواریخ نادر العصر کا بیان قابل غور ہے لیکن یہ یاد رہے کہ یہ کتاب انگریزوں کی ایما پر عین ان کی مرضی کے مطابق لکھی گئی تھی :

"چند اوصاف اس بادشاہ کے قابل ذکر کے بھی ہیں گویہ بادشاہ اس قدر عیاش تھا مگر موافق مذہب شیعہ کے سب عورتیں نکاحی اور متاعی تھیں بے اس کے کسی عورت نامحرم سے اس بادشاہ نے مقاربت نہ کی اور نہ کسی کو جبر سے بیگم بنایا۔ اس کثرت عیش و عشرت اور عالم جوانی اور سلطنت پر نماز پنجگانہ میں سے کوئی نماز قضا نہیں ہوئی یہ حکم رہا اور اب بھی ہے کہ اگر صبح ہوتے بھی ہم سو جائیں تو کوئی زبردستی بے خوف و خطر اور بے پاس ادب جگا دینا چنانچہ ایسا ہی ہوتا ہے اور کبھی نماز اور تلاوت قضا اور ترک نہیں ہوتی ہے۔ این کار از تو آید و مردان چنیں کنند۔ یہ بادشاہ اس قدر رحم دل اور رقیق القلب ہے کہ باوجود اس قدرت سلطنت اور زور و زر کے اس سن شباب میں کسی پر طیش اور بے رحمی نہیں کی بلکہ گالی تک بھی زبان پر نہیں آئی۔ نہ کسی موافق اور مخالف کو ظلم سے ستایا نہ کسی کی جان لی۔ باوجود اس سلطنت اور جاہ و حشمت اور شباب کے اس بادشاہ میں غرور و نخوت جس سے ہزار دل میں بھی کوئی ابیر خالی نہیں ہوتا نام کو نہ تھا۔ مصرعہ۔ گر بدولت برسی مست نگردی مردی" [1]

محمد باقر شمس تاریخ لکھنؤ میں لکھتے ہیں :

---

[1] تواریخ نادر العصر ص ۱۲۴۔

"۱۲۶۳ھ/۱۸۴۷ء امجد علی شاہ کے بعد ان کے دوسرے بیٹے واجد علی شاہ تخت حکومت پر بیٹھے۔ وہ بڑے عالم و فاضل، متقی، پرہیزگار، عادل، رحمدل اور خاکسار تھے۔ ... روزے کے پابند۔ نماز کبھی قضا نہیں ہوئی۔ نذر و نیاز، مجلس و ماتم بڑے خلوص و عقیدت سے کرتے تھے۔ خود مرثیہ کہتے اور پڑھتے تھے ..... ان کے عدل کے بعض واقعات دلچسپ بھی ہیں:-"

"حضرت عباس کی درگاہ جا رہے تھے راستہ میں حسینی کہار نے صدائے فریاد بلند کی۔ سواری روک دی گئی اس نے کہا "قائم علی مصاحب نواب علی خاں نے میرا مکان گرا کے زمین پر قبضہ کر لیا ہے۔ علی رضا بیگ کو توال کو حکم ہوا کہ قائم علی کا مکان گرا دیا جائے اور مستغیث کا مکان پانچ ہزار روپیہ میں بنوا دیا جائے۔ ان کی محبوب بیوی خورد محل کے مکان و باغ میں ایک ہندو کی زمین زبردستی شامل کر لی گئی۔ اس نے عرضی گزاری۔ اسی وقت زمین واپس ہوئی اور منتظمین عقوبت میں گرفتار ہوئے۔" [1]

حکومت نے واجد علی شاہ پر دباؤ ڈال کر ان کے فوجی اور نظم و نسق کے مصارف میں تخفیف کرا دی تھی۔ بادشاہ نے انتہائی محدود ذرائع اور آمدنی کے باوجود سلطنت کے کاموں کو بخوبی سرانجام دیا اور نظم و نسق کو چست رکھا۔ پری یودنا نند ورما لکھتے ہیں:

"لکھنؤ شہر میں ۲۰ تھانے تھے جن میں دو ہزار کانسٹبل یا سپاہی تھے۔

---

[1] تاریخ لکھنؤ صفحہ ۱۳۰-۱۳۱

کوتوالی ہی میں عدالت لگتی تھی۔ لکھنؤ خاص میں بادشاہ کے پاس چھ پلٹنیں تھیں جن کے نام تھے بانکا، ترچھا، گھنگھور، اختری، نادری وغیرہ۔ بادشاہ روز خود ان کی قواعد فارسی زبان میں کراتے تھے۔ بادشاہ کے کل اہلکاروں کی تعداد تشتاسی ہزار تھی جن میں سے فوج کی ۲۷ بٹالین اور بادشاہ کے خاص برداران ترکی، گھوڑسواروں کو چھوڑ کر چودہ ہزار نوکر، دو ہزار کانسٹبل، سات سو گھوڑے، بیل، گائے، بھینس اور مختلف جانور دو سو ہاتھی، لگ بھگ ایک لاکھ بہترین کبوتر اور ایک سو سات شیر تھے اور یہ تعداد تب تھی جب بادشاہ واجد علی شاہ نے خرچ بہت کم کر دیا تھا۔[1]

پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب فرماتے ہیں:۔

"واجد علی شاہ نے فوج کی ترتیب کے ساتھ شہر کی تزئین کی طرف بھی خاص توجہ کی۔ متعدد عالی شان عمارتیں بنوائیں وسیع اور پر فضا باغ لگوائے جیسے حضرت باغ، حضور باغ، سکندر باغ .... بنارسی باغ اور سب سے بڑھ کر قیصر باغ جس کی تعمیر میں اسی لاکھ روپیہ صرف ہوا۔ اس زمانے میں صرف درختوں کے مجموعے کو باغ نہیں کہتے تھے۔ بلند چاردیواری، شان دار پھاٹک، چند عمارتیں اور ان کے درمیان ایک نہر یا نہریں باغ کے لوازم تھے۔ سب سے پہلے جو عمارت بادشاہ نے بنوائی وہ اپنے والد مرحوم امجد علی شاہ کا مقبرہ امام باڑہ سبطین آباد ہے جس پر دس لاکھ روپیہ صرف ہوا۔"[2]

---

[1] واجد علی شاہ اور اودھ راج کا پتن صفحہ ۱۹۔ [2] سلطان عالم واجد علی شاہ صفحہ ۳۹۔

Marfat.com

مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی نے واجد علی شاہ کا آخری زمانہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا گو شرر نے واجد علی شاہ کی بادشاہی کا زمانہ نہیں دیکھا تھا اس کے باوجود انھوں نے ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں میں سب سے زیادہ واجد علی شاہ کی تعریف کی ہے۔ شرر واجد علی شاہ کے بارے میں لکھتے ہیں :

"بادشاہ کو خطاب دینے کا ایسا اچھا ادبی سلیقہ تھا جو کسی اور فرمانروا میں بہت کم دیکھا گیا ہے جتنے خطاب دیے ہیں نہایت خوبصورت دلکش اور پسندیدہ ہیں۔ صدہا مردوں، ہزارہا عورتوں، سیکڑوں درختوں۔ بیشمار جانوروں۔ بہت سے مکانوں۔ باغوں۔ خاصے کی چیزوں کو اتنے خطاب دے ڈالے جن کی تعداد دس بارہ ہزار سے کم نہ ہوگی۔ اور حافظہ اس بلا کا تھا کہ جس شخص یا جس چیز کو خطاب دیا پھر کبھی وہ سامنے آئی یا اس کا ذکر آیا تو اسی خطاب سے یاد کیا۔ یہ بات بہت مشہور ہے۔ اور اس پر تمام لوگ حیران تھے۔" [1]

گذشتہ لکھنؤ میں شرر لکھتے ہیں :

"دنیا میں عمارت کے شوقین ہزاروں بادشاہ گذرے ہیں۔ مگر غالباً اپنی ذات سے کسی تاج دار نے اتنی عمارتیں اور اتنے باغ نہ بنوائے ہوں گے جتنے واجد علی شاہ نے اپنی ناکام زندگی اور برائے نام شاہی کے مختصر زمانے میں بنائے۔ شاہجہاں کے بعد اس بادۂ خاص میں اگر کسی کا نام لیا جا سکتا ہے تو وہ اس ستم زدہ شاہ اودھ کا نام ہے یہ اور بات ہے کہ کوئی خاص عمارت سیکڑوں ہزاروں سال تک باقی رہی اور کسی کی

---

[1] جان عالم صفحہ ۳۸ ۔ ۳۹۔

Marfat.com

صدہا عمارتیں زمانے نے چند ہی روز میں مٹا کے رکھ دیں "
" عمارت کے علاوہ بادشاہ کو جانوروں کا شوق تھا اور اس شوق کو بھی انھوں نے اس درجے تک پہونچا دیا کہ دنیا اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے اور شاید کوئی شخصی کوشش آج تک اس کے نصف درجے کو بھی نہ پہونچ سکی ہوگی.... سانپوں کے رکھنے کا انتظام اس سے پہلے شاید کہیں نہ کیا گیا ہوگا۔ اور یہ خاص واجد علی شاہ کی ایجاد تھی جس کو یورپ کے سیاح حیرت سے دیکھنے اور اس کی تصویریں اور شرح کیفیت قلمبند کر لے جاتے تھے " [1]

انگریزی پروپیگنڈہ

ہندوستان میں جب انگریزوں نے قدم رکھا تو اس وقت یہاں مسلمان بادشاہ کی حکومت تھی۔ ہندو رعایا مسلمان بادشاہوں کی عدل پروری انصاف پسندی اور مساوات کے برتاؤ سے مطمئن تھی۔ لیکن جب انگریزوں نے یہاں اپنے قدم جالیے تو اب سیاست کا یہ تقاضہ تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف پیدا کیا جائے، اوچھی سیاست کا یہی اصول ہے کہ ذاتی مفاد کے لیے آپس میں پھوٹ ڈلوا دو، لہذا انگریز مورخین نے مسلمان فرمانرواؤں کی تاریخ کے صرف تاریک پہلوؤں اور خونریز واقعات کو پیش کیا تاکہ ہندو مسلمانوں سے بددل ہوجائیں۔

اس انگریزی مشن میں سرہنری الیٹ بھی ایک ایسا شخص تھا جس نے ہندستانی تاریخ کو اپنے حسب منشا مسخ کیا اور ہندستانیوں کی ذہنیت کو برباد کیا۔ اسی

---

[1] گذشتہ لکھنؤ ص۸۲-۸۱۔

Marfat.com

سر ہنری الیٹ (SIR HENRY ELIOT) کی ایما پر سید کمال الدین حیدر عرف میرزا ئر نے تاریخ اودھ مرتب کی۔ کمال الدین حیدر نے یہ کتاب ۱۸۴۶ء ۱۲۶۲ھ میں لکھنا شروع کی تھی اور ۱۸۵۹ء ۱۲۷۶ھ میں انھوں نے اس کتاب کو مکمل کر لیا تھا۔ یہ کتاب اردو کے علاوہ فارسی میں بھی لکھی گئی تھی۔ فارسی کا نسخہ نایاب ہے۔

مصنّف موصوف نے اردو کی مذکورہ کتاب کی جلد اول کا نام بزبان انگریزی (BRIEF HISTORY OF AVADH) اور جلد دوم کا نام "تقویم حال سلطنت اودھ رکھا تھا۔ ۱۸۶۰ء ۱۲۷۵ھ میں کمال الدین حیدر نے مذکورہ کتاب کی اشاعت کی منظوری کے لیے مسودہ چیف کمشنر لکھنؤ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس سلسلہ میں انھوں نے جو درخواست دی وہ ملاحظہ ہو:

"غریب پرور سلامت۔

بعدہٗ عرض فدوی نے یہ کتاب تاریخ اودھ بموجب فرمائش الیٹ صاحب سکرٹر اعظم گورنمنٹ اور بہ تجویز و تصحیح کرنل ولکاکس صاحب بہادر مہتمم رصدخانہ سلطانی شروع کی تھی اور جنرل سلیمن صاحب بہادر ریذیڈنٹ لکھنؤ کو بھی جہاں تک ان کے عہد دولت میں سوانحات سرکار کے میں ہوئے تھے گذارے تھے۔ اور بعد اس کے جو سوانح اور انقلاب اس مملکت میں ہوئے بموجب دستور انگریزی اور کواغذ اخبار کلکتہ وغیرہ اور موافق رسالے تحقیق اپنے بغیر تعریف اور خوشامد کسی کی مندرج کتاب کیے ہیں۔ امیدوار ہوں کہ موافق دستور سرکار فیض آثار سی اجازت اس کے چھپنے کی ہو کر اس کے چھپنے اور بکنے سے خاص و عام کو فائدہ اور فدوی کا بھی فائدہ اور سرکار فیض آباد کی نیک نامی جلوہ ظہور پائے۔ فقط

معروضہ فدوی سید کمال الدین حیدر حسن الحسینی

Marfat.com

عرف محمد میرزا ئرہ منشی کرنل ولکاکس صاحب
مہتم رصد خانہ سلطانی لکھنؤ محلہ اشرف آباد
متصل کھڑکی جنوب ۔

۲۶ جون ۱۸۶۰ء "

کمال الدین کو جواب کیا ملا ذرا یہ بھی ملاحظہ فرمایئے :

" اجازت طبع کتاب حسب الحکم چیف کمشنر بہادر لکھنؤ معرفت صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر ضلع لکھنؤ روبکار کچہری کلکٹری باجلاس مسٹر ولیم کیپر صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر ضلع لکھنؤ واقعہ ۳۰ اکتوبر ۱۸۶۱ء

جو کہ صاحب کمشنر بہادر نے سید کمال الدین حیدر کے تئیں اجازت دیتے ہیں بموجب چٹھی نمبر ۲۵۸ مرقومہ ۲۵ اکتوبر ۱۸۶۱ء۔

لہٰذا حکم ہوا

کہ سید کمال الدین حیدر کے تئیں تواریخ واپس دیجائے اور آگاہ کر دیا جائے کہ اکثر مقاموں پر تاریخ ساتھ خیر خواہی کے نہیں ہوئی ہے لیکن وہ چھاپ سکتے ہیں مناسب ہے کہ اول بھی جلد واسطے ملاحظہ کے مع تحریر قلمی اس محکمہ میں پیش کریں اور تا حکم ثانی اور نہ چھاپیں۔

فقط۔ دستخط انگریزی [1] "

گمان غالب ہے کہ کمال الدین حیدر نے اس حکم سے بددل ہو کر کتاب کی اشاعت کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ مگر کافی عرصہ کے بعد مہاراجہ دگبجے سنگھ جو انگریزوں کے ہوا خواہوں میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے انھوں نے مذکورہ مسودے کو سوانحات

---

[1] چٹھی نمبر ۲۵۸ مرقومہ ۲۵ اکتوبر ۱۸۶۱ء ۔

Marfat.com

سلاطین اودھ" اور قیصر التواریخ" کے ناموں سے دو جلدوں میں شائع کرایا۔ کمال الدین حیدر حسن کے بارے میں خیال ہے کہ ان کی وفات ۱۸۸۱ء ۱۲۹۸ھ میں ہوئی ان مطبوعہ جلدوں کو ضرور دیکھا ہوگا کیونکہ مطبوعہ جلدوں پر سن اشاعت ۱۸۷۹ء مندرج ہے اور وہ حالات کی مجبوری کے سبب خون کا گھونٹ پی کر رہ گئے ہوں گے یا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے انتقال کے بعد یہ کتابیں منظر عام پر آئی ہوں۔ بہر کیف اردو کا مذکورہ قلمی نسخہ کسی صورت محفوظ رہ گیا۔ راقم الحروف کو اس قلمی مسودے کو بارہا دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔

اس قلمی مسودے میں بیشتر ایسے واقعات کا ذکر موجود ہے جو کمال الدین حیدر کی مطبوعہ تاریخ اودھ سے حذف کر دیے گئے ہیں۔ سلطنت اودھ کو چھین لیے جانے کے بارے میں کمال الدین حیدر نے اپنے اس قلمی مسودے میں بڑی تفصیل سے واقعات لکھے ہیں۔ یہاں پر پوری تفصیل لکھنے کا محل نہیں چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

(۱)

"بجبر و قہر جو انگلشیہ نے سلطنت اودھ کو لے لیا اسے کس نام اور تعریف سے نام زد کیا جائے اُمنائی دولت انگلشیہ نے سلطنت اودھ کو بے وجہ بلا لحاظ عہود و مواثیق سابقہ بجبر و قہر واسطے دوام کے اپنے ضبط و تصرف میں لائے اور نہایت جرأت و دلیری بل بے شرمی و بے غیرتی سے اشتہار نامہ مضامین بے اصل و مہمل کا اس خصوص میں جاری اور وقائع صحایف سرکار میں چھپوا دیا اور آپ مورد تعریض و شماتت موکد عالم اور اہل عالم سے ہوئے۔"

"اب ہم کہتے ہیں کہ اہل عالم اس کام ناہنجار کو کس نام اور چند سے

تعریف کریں گے اگر اسے غضب کہیں تو یہ تہمت اہالی سلطنت انگلشیہ پر باندھی جاسکتی ہے۔ اگر اسے رہزنی کہیں تو راہزن قافلہ کو راہ میں مارتے ہیں اور جو شخص اس قافلہ کا ہوتا ہے اسے لے لیتے ہیں نہ ملک اور سلطنت کو اور اگر اسے غارت گری کہیں تو غارت گر گھر یا محلہ یا گاؤں کو ایک ساعت یا ایک دن یا چند روز میں غارت کرتا ہے نہ ریاست اور مملکت کو ہمیشہ کے واسطے اس کے والی سے بجبر و قہر لے لیوے اور اگر اسے عہد شکنی اور پیمان فراموشی و خیانت کاری و طمع شعاری و ناایمانداری و فریب کاری بے شرمی بے حیائی جو فروشی گندم نمائی بداطواری زشت کرداری سست اقراری نادرست کاری ستمگری ناتواں آزاری قساوت و بیرحمی بے مہری بے اندری محسن کشی احسان فراموشی زبردستانہ بتاراج زبردستاں کوشی اور امثال اس کی تعبیر کریں تو زشتی اور برائی اس کام ناہنجار کی صد ہزار درجہ سے زیادہ ہے کہ صد ہزار درامثال ایسے الفاظ کی ادائے معنی میں جیسا کہ چاہیئے کرنا چاہیئے ۔ [۱]

(۲)

"ناظرین یہ طرفہ افسانہ فریب ہے کہ موجد اور مخترع اس کا سوائے خواص حضرات دانشمندوں یا نام ونشنگ فرنگ سے نہ ہو سکے گا اس کی توضیع کئی وجہ سے کہی جاتی ہے اول یہ کہ جناب

---

[۱] تقویم حال سلطنت صوبہ اودھ قلمی ص ۱۵۲-۱۵۳ ۔

Marfat.com

نواب گورنر جنرل بہادر نے صرف یہی دعویٰ کیا ہے کہ صلح نامہ ۱۸۰۱ء میں چنان و چنیں لکھا ہے لیکن عبارت اس صلح نامہ مذکور جس میں مضامین مسطور مندرج ہیں بجنسہ اشتہار نامہ میں نقل نہیں کیا تا سب کو تحیر ہو جاتی کہ صلح نامہ مذکور میں کیونکر مضامین اور بھی مانع انتزاع سلطنت اودھ کے خاندان بادشاہان اس کشور سے لکھا ہوا ہے لیکن یہ پردہ کب تک پڑا رہے گا آیا واجد علی شاہ لندن کو نہ جائیں گے اور اپنی فریاد ارباب پارلمنٹ کے آگے نہ کریں گے آیا دفعہ اس صلح نامہ مذکور کی اس دادرسی گاہ میں لفظ بہ لفظ پڑھی نہ جائے گی اور اس کے مضمون سب پر کھل نہ جائیں گے اور آیا خلق عالم ایسے مغالطہ مندرجہ اشتہار نامہ ہذا پر نہ ہنسیں گے اور اس کے ڈھانکنے والوں پر نفرین نہ کریں گے۔"[1]

(۳)

"اب طرفہ ماجرا ہے بمجرد دیکھنے مضمون اشتہارات اور معطل ہونے بادشاہ تمام کارندوں کو چاہیئے کہ سب رعایا اور غربا اور ملازم اگر درحقیقت برطبق مضمون اشتہار نالاں اور گرفتار مصائب کے ہوتے تو راضی اور شادماں ہو کر شکر گزار اور مداح سرکار انگریزی کے ہوتے لیکن برعکس اس کے سب رعایا اور غربا اور ملازم ملکہ قیدی جو قید سے چھٹ گئے ہیں نالاں اور فریاد کناں ہیں کہ ہمیں وہ قید اور گرفتاری پسند اور قبول تھی عہد بادشاہ رحمت مجسم میں سب شہر ول

---

[1] تقویم حال سلطنت صوبہ اودھ (قلمی) ص ۱۵۵۔

سے محفوظ ہو کر اپنے حال میں خوش تھے اب اس عمل میں رہائی کو اشد قید جانتے ہیں کہ کہیں روٹی نہ ملے گی پس جب حال قیدیوں کا جو چھٹ گئے ہوں یہ ہو تو کیفت حال خلائق کہ گھر گھر کوچہ بکوچہ حشرات ماتم و بکا برپا ہے۔" لہ

برطانوی حکومت نے "اودھ بلو بک" کے نام سے اودھ کے حکمرانوں کی نااہلی اور سلطنت کی بدانتظامی کے جھوٹے واقعات کتابی صورت میں شایع کیے تاکہ اودھ کو غصب کر لینے کے حقیقی واقعات سے دنیا بے خبر رہے۔ جب یہ کتاب ترجمہ ہو کے واجد علی شاہ کے گوش گذار ہوئی تو انھوں نے اس کتاب کی تردید میں "جواب اودھ بلو بک" کے نام سے ایک کتاب لکھی اور اس کا ایک نسخہ ملکہ وکٹوریہ کو بھی بھیجا لیکن حق و صداقت کی بات کون سنتا ہے! واجد علی شاہ کی حق و انصاف کی یہ آواز بھی صدا بہ صحرا ہو کر رہ گئی اور انگریزی پروپگنڈہ کی نذر ہو گئی۔ جواب اودھ بلو بک میں واجد علی شاہ اپنے عہد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"دوسرا امر یہ ہے کہ اظہار بربادی اور بدانتظامی ہمارے ملک کی بالکل غلط شہر اور قصبہ اور گاؤں سب آباد بلکہ آبادی روز بروز بڑھتی جاتی ہے اور آمدنی اسی طرح سے جیسا کہ پچیس برس سے تھی خدانخواستہ اگر ملک برباد ہوتا آمدنی دو چار برس میں موقوف ہو جاتی یہی ایک دلیل کافی ہے واسطے ثبوت اس بات کے کہ ہماری سلطنت میں رعایا راضی اور ملک آباد و سرسبز رہا ہم دعویٰ کر کے کہتے ہیں کہ اگر اضلاع قریبہ یعنی کانپور، شاہجہانپور، فرخ آباد وغیرہ کو جو کہ

لہ تقویم حالِ سلطنتِ صوبۂ اودھ (قلمی)، ص ۱۶۹۔

Marfat.com

عملداری سرکار کمپنی میں ساتھ ہمارے ملک کے مقابل کیا جاوے
بیشک رونق اور سرسبزی ہمارے ملک کی سب بات میں ان اضلاع
سے زیادہ ہوگی۔۔۔۔" لہ

معزولی

ادھر واجد علی شاہ امور سلطنت بخوبی سرانجام دے رہے تھے ادھر فرنگی سلطنت اودھ کو پورا نگل جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ۱۲۶۴ھ/۱۸۴۸ء میں لارڈ ڈلہوزی (LORD DILHOUSIE) گورنر جنرل ہوکر ہندوستان آیا۔ یہ شخص کمپنی کے لیے نہایت مفید ثابت ہوا! اس نے ہندوستان کی دیسی حکومتوں کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ لارڈ ڈلہوزی نے ہندوستان کی سب سے بڑی دیسی ریاست اودھ کو ہڑپ لینے کی غرض سے کرنل سلیمن کو خاص ہدایت کرکے اودھ کا ریذیڈنٹ مقرر کیا۔ ڈاکٹر سید صفدر حسین کا کہنا ہے:

"لکھنؤ میں رزیڈنٹ کی موجودگی بھی ملکی انتظام کی خرابی اور اودھ کے زوال کا باعث ہوئی۔ دیسی ریاستوں کے لیے طریقِ معاونت (SUBSID-ADY POLICY) کا سب سے کامیاب حربہ رزیڈنٹ کا قیام تھا۔ اوّل اوّل وہ ریاست اور کمپنی کے درمیان خوشگوار تعلقات قائم کراتے کا ذریعہ محسوس ہوتا تھا لیکن رفتہ رفتہ انگریز پالیسی اس کا اثر و اقتدار بڑھاتی رہی اور ایک دن خود بادشاہ ہی اس کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن گئے۔ ایسی حالت میں اگر ملک کے اندر کوئی بدنظمی ہوتی تو اس کا ذمہ دار محض بادشاہ ہی

لہ جواب اودھ بلوبک صـ۲

Marfat.com

نہیں رزیڈنٹ بھی ٹھہرتا لیکن بدقسمتی سے سارا الزام مجبور نوابین پر تھوپ دیا جاتا تھا۔ سر ہنری لارنس کا خیال ہے کہ اودھ کے حکمران اُن فرمانرواؤں سے کسی صورت میں بُرے نہ تھے جو عام طور پر ایسے حالات میں ہوا کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ توقع سے کہیں زیادہ بہتر تھے۔۔۔۔ اودھ کے وزرائے سلطنت میں بھی ایسے قابل لوگ موجود تھے جیسے عموماً مشرق میں پائے جاتے ہیں اور رزیڈنٹ صاحبان میں بھی سچے اور عمدہ لوگوں کی کمی نہ تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ سارا قصور رائج الوقت نظام کا تھا نہ کہ آلۂ کار کا۔"

"غرض لکھنؤ میں یہی دوعملی چل رہی تھی جس میں رزیڈنٹ کو حاکم اعلیٰ کا درجہ اور بادشاہ کو ماتحت کی حیثیت حاصل تھی بالآخر برطانیہ نے اودھ کو اپنی قلمرو میں شامل کرنے کا ارادہ کیا، اس سلسلے میں پہلا قدم یہ تھا کہ ماہ اکتوبر ۱۸۴۷ء میں بادشاہ کو متنبہ کیا گیا کہ اگر دو سال کے اندر اودھ کا انتظام بہتر نہ کر لیا گیا تو کمپنی اس سلطنت کو اپنی نگرانی میں لے لے گی۔ اس تنبیہ کے کچھ زمانے بعد یعنی ۱۶ ستمبر ۱۸۴۸ء کو ڈلہوزی نے کرنل سلیمن کو اس کی تقرری کے متعلق جو خط لکھا تھا اس سے بھی سلطنتِ اودھ کو ضبط کر لینے کا منشا صاف ظاہر ہوتا تھا۔ گویا نئے رزیڈنٹ کا تقرر ضبطیِ اودھ کا پیش خیمہ تھا۔ اُس خط سے اس امر کا اندازہ ہوتا تھا کہ آئندہ چند سال میں اودھ پر کمپنی کا قبضہ ہو جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ۱۸۵۶ء میں بدنظمی اور بدانتظامیٔ ملک کا بہانہ بنا کر واجد علی شاہ کو معزول کر دیا گیا

Marfat.com

اور ان کے ملک کو انگریزی قلمرو میں شامل کر لیا گیا۔ اب رہا یہ سوال کہ کیا واقعی ملک اودھ کا انتظام اس حد کو پہنچ گیا تھا کہ اس کا الحاق کر لیا جاتا تو اس کے جواب میں شاہ اودھ کے سفیر مولوی مسیح الدین نے پوری کتاب (AVADH ITS PRINCESS AND ITS GOVERNMENT) لکھی ہے جس میں ان تمام الزامات کی تردید کی ہے جو سلطنتِ اودھ پر بطورِ حیلۂ ضبطیِ ملک عائد کیے گئے تھے "۔[1]

کرنل سلیمین (COL. SLEEMON) ۱۱ جنوری ۱۸۴۹ء / ۱۲۶۶ھ کو اودھ کا رزیڈنٹ مقرر ہوا اُس وقت واجد علی شاہ بہت بیمار تھے[2]۔ اس موقع سے اس نے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور غلط سلط خبریں گورنر جنرل کو بھیجتا رہا۔ پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیب لکھتے ہیں:

" ۱۸۴۹ء کا پورا سال بادشاہ کو سخت بیماری اور خفقان اور خاموشی کے دوروں میں گزرا سلیمن خود بادشاہ کی بیماری کی خبر ایلیٹ اور ڈلہوزی کو برابر دیتا رہا۔ اسی ۱۸۴۹ء میں وہ کہتا ہے کہ اس وقت اودھ میں کوئی حکومت نہیں ہے۔ بادشاہ گوئیوں اور خواجہ سراؤں کے سوا کسی سے نہیں ملتے ہیں۔ وہ ملک معاملات سے بالکل بے خبر ہیں اور اس کی ان کو کوئی فکر نہیں ہے۔ یعنی بادشاہ کی شدید بیماری کا جس میں اُن کی موت کا خطرہ پیدا ہو جاتا

---

[1] لکھنؤ کی تہذیبی میراث صفحہ ۱۱۶ - ۱۱۸ - ۱۱۹ -

[2] سلطان عالم واجد علی شاہ صفحہ ۴۱ -

Marfat.com

تھا، مطلق ذکر نہیں کرتا ہے بلکہ ان پر امور سلطنت سے غفلت کا الزام لگاتا ہے۔ گویّے بادشاہ کا دل بہلانے کے لیے ضرور حاضر رہتے ہوں گے۔ لیکن سلیمن اس کو بھی بادشاہ کی غفلت شعاری کا سبب قرار دینا چاہتا ہے۔ نیم صداقت صریح جھوٹ سے بھی زیادہ خطرناک ہوسکتی ہے "۔ [1]

نیم صداقت کا دوسرا ثبوت سلیمن کی وہ رپورٹ ہے جو اس نے اودھ کا دورہ کرکے گورنر جنرل کو پیش کی تھی اور وہ رپورٹ معزولی کے تابوت کی آخری کیل تھی۔ اس رپورٹ کے بارے میں سر ارسکن پیری — SIR ARSKIN PERRY) — اپنی کتاب "برڈس آئی ویو آف انڈیا — BIRDSEYE VIEW ON INDIA) — میں لکھتا ہے:

"کرنل سلیمن رزیڈنٹ نے گورنر جنرل کو مجبور کیا کہ انھیں تمام صوبے کے دورے کی اجازت دی جائے۔ چنانچہ وہ گذشتہ تین ماہ سے اس کام میں مصروف ہیں۔ اس دوران میں وہ تمام علقوں کو اشتعال دے کر ان سے درخواستیں اور اپیلیں حاصل کر رہے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ دیسی حکومت کے ساتھ یہ بڑی غیر معمولی مداخلت ہے جو کسی بھی عہد نامے کی رُو سے جائز نہیں بلکہ میثاق اور عہد کے قطعی خلاف ہے "۔ [2]

۳۰ جنوری ۱۸۵۶ء کو جیمس اوٹرم (JAMES OUTRAM) رزیڈنٹ

---

[1] سلطان عالم واجد علی شاہ صفحہ ۲۰۔

[2] بحوالہ لکھنؤ کی تہذیبی میراث صفحہ ۱۰۹۔

Marfat.com

ہو کر لکھنؤ آیا، اس کے ساتھ ایک کثیر انگریزی فوج بھی آئی تھی۔ یکم فروری ۱۸۵۶ء ۱۲۷۲ھ کو اوٹرم بادشاہ سے ملا اور گورنر جنرل کی الحاق کی پالیسی سے مطلع کیا اور کہا گورنر جنرل نے کورٹ آف ڈائرکٹرس اور ملکہ معظمہ کے حکم کے مطابق ۱۲ لاکھ روپیہ سالانہ آپ کے ذاتی مصارف کے لیے اور ۳ لاکھ روپیہ سالانہ عملۂ شاگرد پیشہ کے لیے مقرر فرمایا ہے اور نواب شجاع الدولہ کی اولاد کی تنخواہ اپنے ذمہ لے لی ہے۔ اب ممالک محروسہ کا انتظام سرکار کمپنی بہادر کے دستور کے مطابق ہوگا۔ تمام سابقہ عہد نامے منسوخ کیے جاتے ہیں لہٰذا چند دفعات کے جدید عہد نامے کو آپ منظور کرکے رضامندی سے اس پر مہر فرمادیں۔ لیکن واحد علی شاہ اس صریح جبر و ظلم پر قطعاً راضی نہیں ہوئے۔ اس خبر کی شہرت ہوتے ہی تمام شہر میں گھر گھر عجب ماتم برپا ہوا۔ شہر کے در و دیوار سے وحشت اور ویرانی برس رہی تھی۔ سرکار شاہی سے وابستہ ہزاروں لوگ بے قرار ہو گئے اور جنرل سکندر حشمت کا حال بیان سے باہر ہے[1]۔

۴ فروری ۱۸۵۶ء ۱۲۷۲ھ کو ریزیڈنٹ چند فوجی افسروں کے ساتھ بادشاہ کے پاس گیا اور گورنر جنرل کا خط پیش کیا اور کہا، یہ راضی نامہ حاضر ہے اس پر مہر فرمائیے۔ سات وسیع مکان: شاہ منزل، مبارک منزل، خورشید منزل، سکندر باغ، بادشاہ باغ، قیصر باغ، رمنہ کوٹھی دلکشا سیر و تفریح کے واسطے قبضۂ اختیار میں رہیں گے۔

---

[1] قیصر التواریخ صفحہ ۱۳۰-۱۳۳

Marfat.com

باقی کل املاک قدیم اور جدید ہمارے اختیار میں رہے گی۔ آج سے تین دن تک آپ کو اختیار ہے اس کے بعد، فروری سے ہمارے احکام جاری ہوں گے۔ اگر آپ ہم کو راضی رکھیے گا تو آپ کے لیے بہتر ہوگا اور اگر ہماری ناراضی منظور ہے تو شاید لکھنؤ میں قیام بھی مشکل ہو جائے بلکہ فیض آباد میں سکونت ہو۔[1] ملکہ کشور والدۂ واجد علی شاہ نے رزیڈنٹ سے کہا، "یہ زمین کا ٹکڑا جو ہمارے قبضۂ اختیار میں رہ گیا ہے اس کو چھین لینا کمپنی کے اختیار میں نہیں ہے۔ ایک طرف وزارت سے مرتبۂ بادشاہت دیں اور دوسری طرف حیلۂ غفلت ٹھہرا کر ایسی اہانت اور توہین سے ملک چھین لیں جبکہ ہماری طرف سے ہمیشہ دوستی اور مہربانی کا سلوک روا رہا۔ اگر امور سلطنت میں غفلت اور بے توجہی کا سبب بادشاہ ہے تو آپ نے تخت نشینی کے وقت اس کی قابلیت اور لیاقت کا امتحان لے لیا ہوتا۔ اور اگر بد انتظامی کا سبب ارکین سلطنت ہیں تو ان سے جواب طلب کرنے کا آپ کو اختیار ہے۔ لیکن کوئی بھی انتظام اور اصلاح کے حیلے سے کسی کا گھر چھین لیتا ہے! یہ کہاں کا انصاف ہے؟ اگر کسی پر آپ کو تخریب کاری کا اندیشہ ہے تو ہم ہمارا جبر جھاؤ لال کی طرح اس کو آپ کے حوالے کر دیں اور اگر آپ واجد علی شاہ سے ناراض ہیں تو میرے دوسرے بیٹے جنرل سکندر حشمت کو وارث سلطنت کیجیے۔ یا پھر مصطفےٰ علی خاں کے بیٹے کو تخت نشین کر دیں حالانکہ وہ ہمارے کفو نہیں ہیں مگر ہم یہ نہیں چاہتے کہ

---

[1] سلطان عالم واجد علی شاہ صفحہ ۲۶۵۔

سلطنت کی بربادی کا الزام ہم پر عائد ہو۔" رزیڈنٹ کو نواب ملکہ کشور کے ان دلائل کے آگے لاجواب رخصت ہونا پڑا۔[1]

بہرکیف انگریزوں نے اپنی سوچی سمجھی اسکیم کے تحت، ۲ فروری ۱۸۵۶ء ۱۲۷۲ھ کو حکومت کی ضبطی کا اعلان کر دیا۔ پچاس ہزار انگریزی فوج جن میں بیشتر ہندوستانی تھے، ان کو اوٹرم نے یہ لالچ دیا تھا کہ لکھنؤ والے آسانی سے سلطنت حوالے نہیں کریں گے اس لیے انگریزی فوج کو لوٹ میں لکھنؤ کی بے شمار دولت ہاتھ آئے گی۔ انگریزی فوج عالم باغ اور تالکٹورہ میں ڈیرہ ڈالے اس انتظار میں تھی کہ کب حملے کا حکم ہو اور لوٹ کا موقع ملے۔ لیکن بے کس اور بے بس بادشاہ نے وہ نوبت ہی نہ آنے دی۔ انھوں نے مجبور ہو کر اطاعت قبول کرلی۔ ان کی اس مظلومی ہی نے ملک میں جذبۂ آزادی کو جنم دیا۔ لیکن انھوں نے اپنی معزولی کو قرین انصاف تسلیم نہیں کیا اور اس بات پر آمادہ ہوئے کہ اس ظلم اور بے انصافی کی شکایت لندن جاکر کریں۔ اس غرض سے ۱۲ مارچ ۱۸۵۶ء ۱۲۷۲ھ کو لکھنؤ سے کوچ کیا۔ کانپور، الہ آباد، اور بنارس وغیرہ ہوتے ہوئے ۱۲ مئی ۱۸۵۶ء ۱۲۷۲ھ کو کلکتے پہنچے۔ طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے خود لندن تشریف نہ لے جاسکے ماں، بھائی اور بیٹے کو لندن روانہ کیا۔

دوسرا لکھنؤ

لکھنؤ سے واجد علی شاہ کے ساتھ صرف پانچ سو اشخاص کلکتہ آئے تھے۔ واجد علی شاہ کلکتہ کے نواح میں مٹیا برج (موچی کھولہ) میں مقیم ہو گئے۔ مٹیا برج میں بادشاہ کو بڑے مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ ۱۸۵۶ء ۱۲۷۲ھ میں ماں اور بھائی کی پے در پے موتیں بادشاہ کے لیے بڑے الم ناک حادثے تھے۔ ابھی یہ زخم مندمل بھی نہ

---

[1] قیصر التواریخ صفحہ ۱۳۲ - ۱۳۳۔

Marfat.com

ہوئے تھے کہ ۱۵ جون ۱۸۵۷ء ۱۲۷۳ھ کو بادشاہ قید کر لیے گئے اور ۹ جولائی ۱۸۵۹ء ۱۲۷۵ھ کو دو سال کے بعد قید کی سختیاں برداشت کر کے بادشاہ مٹیا برج واپس آئے۔ ابھی چین کا سانس بھی نہ لینے پائے تھے کہ ۸ اپریل ۱۸۶۰ء ۱۲۷۶ھ کو بادشاہ کے مکانات میں آگ لگی اور بہت سامال واسباب اور جواہرات جل کر خاک ہو گئے۔ لیکن واجد علی شاہ کی اہلیت، نفیس مزاجی اور طبعی کیفیت کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اس شخص نے ان تمام حادثات اور اس قدر محدود ذرائع اور آمدنی کے باوجود مٹیا برج کو دوسرا لکھنؤ کیسے بنا دیا۔ شانتی رنجن بھٹاچاریہ کا کہنا ہے:

"اُس دور کے مٹیا برج، وہاں کی علمی اور ادبی محفلوں، ناچ رنگ، ڈراموں اور مشاعروں کا ذکر خیر ہم کلکتے کے قدیم اردو اخبارات مثلاً "اردو گائیڈ"، "دار السلطنت"، "گوہر"، "تجارت اخبار"، "دوربین"، "امیر الاخبار" وغیرہ کے علاوہ ادبی رسائل مثلاً ...... "منبعِ سخن" کے صفحات پر بکھرا ہوا پاتے ہیں۔ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اُس دور میں جب کہ واجد علی شاہ کے حق میں ایک لفظ کہنا اپنے لیے مصائب کو دعوت دینا تھا۔ اس وقت بھی کلکتے کے بیباک اور حق پرست صحافیوں اور اہلِ قلم حضرات نے واجد علی شاہ کی طرفداری کی ہے۔ چاہے کتنے ہی ڈھکے چھپے الفاظ میں کیوں نہ ہو۔ مگر انھوں نے اپنی آواز بلند کی ہے۔ کاش! کوئی ان تمام اخبارات و رسائل کی مدد سے واجد علی شاہ اور ان کے قیام کلکتہ کے زمانے کا نقشہ پیش کرتا اور اس طرح اس عہد کی ایک تاریخ کتابی شکل میں سامنے آتی"[1]

---

[1] نیا دور، اگست ۱۹۷۰ء ص ۱۱

Marfat.com

گارساں دتاسی لکھتا ہے :

" واجد علی شاہ اختر اپنے ہم عصروں میں ممتاز ہیں۔ کلکتہ سے تین میل دور دریائے ہگلی کے کنارے کوئی بیس سال سے قیام پذیر ہیں۔ موسیقی، مصوری، اور شاعری سے شغف ہے۔ ان کے بنائے ہوئے گیت کلکتہ اور بنارس کے گھروں اور بازاروں میں گائے جاتے ہیں۔ وہ جس شاہی محل میں رہتے ہیں اسے ان کی عمل داری کہنا چاہیے۔ ان کی رعایا کی تعداد چھ ہزار ہے اور دربارداری کی وہ ساری شان باقی ہے جو لکھنؤ کی زینت تھی۔ وہ اپنے محل سے کبھی باہر قدم نہیں رکھتے خود وائسرائے سے ملنے نہیں جاتے، البتہ وہ ان سے ملنے آیا کرتا ہے۔ اپنی رہائش کے لیے بادشاہ نے تین محل بنائے ہیں۔ سلطان خانہ جسے شاہی محل کہنا چاہیے، آزاد منزل اور زرد کوٹھی ـــ حرم میں دو بیگمیں ہیں اور ایک سو اکتیس ۱۳۱ خواصیں ـــ اس چھوٹی سی ریاست کی سب سے عجیب چیز اس کا چڑیا گھر ہے جو سارے عالم میں انتخاب ہے۔ اس میں سب ملا کر بیس ہزار جانور ہیں جن میں سے کئی نایاب ہیں ـــ کبوتروں کا ایسا انتخاب کہیں نہ ہوگا۔ سانپوں اور رینگنے والے دوسرے جانوروں کی اتنی قسمیں کہیں دیکھنے میں نہ آئیں گی۔ باغات کی آرائش نظر افروز ہے اور ان کی دیکھ بھال تین سو مالیوں کے سپرد ہے[۱] "

آئیے اب مٹیا برج کے واقعات مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی کی زبانی سنیں۔

---

[۱] نیا دور اگست ۱۹۷۸ء صہ ۱۲

یاد رہے کہ یہ واقعات شرر کے چشم دید ہیں:

"ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ اسی سلسلہ واقعات میں ہم واجد علی شاہ کی باقیماندہ زندگی اور ان کے قیام کلکتہ کے حالات بھی اپنے ناظرین کے سامنے پیش کر دیں کیونکہ بغیر اس کے اس تاریخ کا تکملہ نہیں ہو سکتا۔ کلکتے میں خود ہمارا بچپن بادشاہ کے ظل حمایت میں بسر ہوا ہے۔ اور گزشتہ واقعات کے حالات اگر ہم نے لوگوں سے سن کے اور اوراقِ تاریخ میں پڑھ کے بیان کیے ہیں تو آئندہ اکثر چشم دید حالات بیان کریں گے۔"

"... گورنمنٹ سے صرف سلطان خانہ، اسد منزل اور مرصع منزل ملی تھیں مگر بادشاہ کے شوق نے چند ہی روز میں بیسیوں کوٹھیاں تعمیر کرا دیں۔ جن کے گرد نہایت ہی پر فضا باغ اور فرحت بخش چمن تھے۔ جس وقت میں نے دیکھا ہے بادشاہ کے قبضہ میں مندرجہ ذیل عالیشان کوٹھیاں تھیں جنوب سے شمال تک ترتیب وار چلی گئی تھیں۔ سلطان خانہ۔ قصر البکا، گوشہ سلطانی، شہنشاہ منزل، مرصع منزل، اسد منزل، شاہ منزل، نور منزل، تفریح بخش، بادامی آسمانی، تہنیت منزل، حد سلطانی، سد سلطانی، عدالت منزل۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی کوٹھیاں تھیں۔ جن کے نام مجھے یاد نہیں رہے۔"

"ان کے ماسوا باغوں کے اندر، تالابوں کے کنارے بہت سے کمرے، بنگلے اور چھوٹی چھوٹی کوشکیں تھیں۔ ان تمام کوٹھیوں، متفرق کمروں، بنگلوں اور کوشکوں میں صاف ستھرا پُر تکلف فرش بچھا رہتا۔ چاندی کے پلنگ بچھونوں اور تکیوں سے مکمل لگے رہتے تصویریں

Marfat.com

اور طرح طرح کا فرنیچر آراستہ ہوتا اور محض پرورش کے خیال سے ضرورت سے زیادہ مکاندار مقرر تھے جو روز جھاڑتے اور ہر چیز کو صفائی اور قرینے سے آراستہ رکھتے غرض ہر کوٹھی بجائے خود اس قدر آراستہ و پیراستہ نظر آتی کہ انسان عش عش کر جاتا . . . "

" لکھنؤ میں تو بادشاہ نے صرف قیصر باغ اور اس کے پاس کی چند عمارتیں یا اپنے والد مرحوم کا امام باڑہ اور مقبرہ ہی تعمیر کیا تھا۔ مگر مٹیا برج میں نفیس اور اعلیٰ عمارتوں کا ایک خوبصورت شہر بسا دیا تھا "

" نور منزل کے سامنے خوشنما آہنی کٹہرے سے گھیر کے ایک وسیع رمنہ بنایا گیا تھا جس میں صدہا چیتل، ہرن اور وحشی چوپائے چھوٹے پھرتے تھے - اسی کے درمیان سنگ مرمر کا ایک پختہ تالاب تھا جو ہر وقت لبلب رہتا اور اس میں شتر مرغ، کشوری فیل مرغ، سارس، قازیں، بگلے، قرقرے، ہنس، مور، چکور، اور صدہا قسم کے طیور اور کچھوے چھوڑ دیے گئے تھے - صفائی کا اس قدر اہتمام تھا کہ مجال کیا جو کہیں بیٹ یا کسی جانور کا پر بھی نظر آجائے۔ ایک طرف تالاب کے کنارے کٹہروں میں شیر تھے - اور اس رمنے کے پاس ہی سے لکڑی کے سلاخوں دار بڑے بڑے خانوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا تھا جس میں بیسیوں طرح کے اور خدا جانے کہاں کہاں کے بندر لا کے جمع کیے گئے تھے جو عجیب عجیب حرکتیں کرتے اور انسان کو بغیر اپنا تماشا دکھائے آگے نہ بڑھنے دیتے "

.... " بادشاہ کی کوشش تھی کہ چرند پرند میں جتنی قسم کے جانور دستیاب

Marfat.com

ہوسکیں سب جمع کر لیے جائیں۔ اور واقعی ایسا مکمل زندہ عجائب خانہ شاید روئے زمین پر کہیں موجود نہ ہوگا۔"

"ہزار کے قریب پہرے کے سپاہی تھے جن کی تنخواہیں عموماً چھ روپیہ ماہوار تھیں۔ بعض بعض آٹھ یا دس روپیہ بھی پاتے۔ یہی تنخواہ مکان داروں کی تھیں جن کا شمار بھی پانچسو سے زیادہ تھا۔ تقریباً اسّی اہل قلم یعنی محرر تھے۔ جو دس سے تیس روپیہ ماہوار تک پاتے تھے۔ معزز مصاحبوں اور اعلیٰ عہدہ داروں کا شمار چالیس پچاس سے کم نہ ہوگا جو اٹھاسّی روپیہ ماہوار پاتے تھے سو سے زیادہ کہار تھے۔"

"ان کے علاوہ چھوٹے چھوٹے محکمے تھے۔ باورچی خانہ، آبدار خانہ، بھنڈری خانہ، خس خانہ اور خدا جانے کیا کیا تھا۔"

"ان سب لوگوں نے کوٹھیوں کے رقبے سے باہر زیادہ تر اسی زمین پر جو بادشاہ کو دی گئی تھی اور بہتوں نے پاس کی دوسری زمینوں پر مکان بنا لیے تھے۔ اور ایک شہر بس گیا تھا جس کی مردم شماری چالیس ہزار سے زیادہ تھی ان سب کی زندگی بادشاہ کی تنخواہ کے ایک لاکھ روپے ماہوار سے وابستہ تھی اور کسی کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اتنی خلقت عظیم اس تھوڑی سی رقم میں کیونکر زندگی بسر کر لیتی ہے۔"

"حقیقت حال یہ ہے کہ بادشاہ کے قیام سے کلکتے کے پڑوس میں ایک دوسرا لکھنؤ آباد ہو گیا تھا۔ اصلی لکھنؤ مٹ گیا تھا اور اس کی منتخبہ صحبت مٹیا برج میں چلی گئی تھی بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ان

Marfat.com

دنوں لکھنؤ لکھنؤ نہیں رہا تھا۔ مٹیا برج لکھنؤ تھا۔ یہی چہل پہل تھی، یہی زبان تھی، یہی شاعری تھی، یہی صحبتیں اور بذلہ سنجیاں تھیں۔ یہیں کے علماء و اتقیا تھے، یہیں کے امراء روساء تھے اور یہیں کے عوام تھے۔ کسی کو نظر ہی نہ آتا تھا کہ ہم بنگالے میں ہیں۔" [1]

واجد علی شاہ کی علمی و ادبی سرگرمیاں

واجد علی شاہ ایک اچھے ادیب و شاعر تھے۔ شاعری کے فن میں ان کے استاد فتح الدولہ مرزا محمد رضا برق تھے۔ واجد علی شاہ نے اتنی کتابیں نظم و نثر میں تصنیف کر دیں کہ ان کا شمار بھی شاید آج کسی کو معلوم نہ ہو گا۔[2] انھوں نے سیکڑوں مرثیے اور سلام بھی لکھے۔ واجد علی شاہ اپنی ہر کتاب چھپوا کر مفت تقسیم کر دیتے تھے۔ سید مسعود حسن رضوی ادیب فرماتے ہیں:

"واجد علی شاہ کی زندگی کا جو خلاف حقیقت تصور عام طور پر ذہن نشین کر دیا گیا ہے اس سے یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ مالی فائدہ اور بادشاہ کی نظر میں سرخ روئی حاصل کرنے کے لیے دوسروں نے کتابیں لکھ کر نذر کر دی ہوں گی جن کو صاحب تصانیف بننے کے شوق میں بادشاہ نے اپنی طرف منسوب کر لیا ہو گا۔ لیکن یہ شبہ بالکل بے بنیاد ہے... واجد علی شاہ شاعروں کے بڑے قدر دان تھے جب تک وہ بادشاہ رہے لکھنؤ میں شاعروں کا جمگھٹا رہا۔ انتزاع سلطنت کے بعد بیسوں شاعر اُن کے دامن دولت سے وابستہ ہو کر مٹیا برج میں مقیم ہو گئے۔" [3]

---

[1] گزشتہ لکھنؤ صفحہ ۸۱ تا ۸۵۔ [2] حزن اختر مقدمہ صفحہ ۱۳۔
[3] سلطان عالم واجد علی شاہ صفحہ ۹۵-۱۰۸-۱۰۹

Marfat.com

آگے سید مسعود حسن رضوی ادیب نظم طباطبائی کے حوالے سے مٹیا برج میں واجد علی شاہ کے درباری شعراء اور شعر و سخن کی صحبتوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

"بادشاہ کے قلعے سے چھوٹنے اور ۱۸۵۷ء کے فتنہ و فساد فرو ہونے کے بعد لکھنؤ سے اور بھی شعراء پہنچے اور ملازمان شاہی میں منسلک ہوئے۔ سات شاعر اُن میں سے سبعہ سیّارہ کہلاتے تھے۔ یہ امتیاز حضرت کا دیا ہوا تھا۔ درخشاں بھی ان ساتوں میں شامل تھے۔"

"کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ ہوادار پر سوار چلے جا رہے ہیں۔ شعرا کو باریابی کا موقع مل گیا۔ باتوں باتوں میں کوئی مصرعہ حضرت کی زبان سے نکل گیا۔ سب نے مل کر اسے طرح قرار دے لیا۔ پھر جو سواری ہوئی تو اپنی اپنی غزلیں سناتے ہوئے ہوادار یا بوچے کے ساتھ ساتھ چلے۔ بوچے کے کہار مزاج شناس تھے۔ آہستہ آہستہ قدم اٹھانے لگے اور سیدھی راہ چھوڑ کر باغوں کے اندر ہوتے ہوئے گزرے۔ شعرا جب پڑھ چکے تو رئیس الدولہ جو خوش نویسوں کے افسر اور مطبع سلطانی کے مہتمم تھے بوچے کے قریب آئے اور بادشاہ کی غزل صاف کی ہوئی گزران دی۔ اُن سے غزل لے کر حضرت نے پڑھنا شروع کی سلام الملوک ملوک الکلام کا شور بلند ہوا لیجئے مشاعرہ ہو گیا۔"

"بادشاہ کی عادت تھی جہاں دیکھا کہ شعرائے سبعہ سیارہ میں سے کچھ لوگ سلام کو حاضر ہوئے ہیں، باتوں باتوں میں کوئی مصرعہ نظم کر دیا۔ یہ لوگ اکثر کوئی قطعہ یا رباعی جس میں اعادۂ سلطنت کی دعا ہوتی تھی پڑھ دیا کرتے تھے جس سے اُن کا زخم کہن تازہ ہو جاتا تھا اور اپنا دردِ دل کسی مصرعے میں ظاہر کرتے تھے۔ زبان سے نکلا سے

Marfat.com

"رہے گا نجم اختر تا کجا اے چرخ گردش میں"

"بادشاہ ابھی ہوادار سے اتر کر سلطان خانے میں داخل نہ ہوئے تھے کہ جناب الدولہ نے یہ مصرعے پڑھے"۔

"نہ ہے اس طرح سنگِ آسیا اے چرخ گردش میں
نہ ہے یوں ساغر بادہ سدا اے چرخ گردش میں
نہ یوں تسبیح دست پارسا اے چرخ گردش میں
رہے گا نجم اختر تا کجا اے چرخ گردش میں"

"ایک صحبت میں تمام شعراو ندمائے شاہی کا مجمع تھا۔ اعادۂ ملک کی دعائیں لوگ دے رہے تھے کہ حضرت نے دست دعا بلند کیے اور یہ مصرع پڑھا"

"باز آ تقصیر سے بس گوشمالی ہو چکی"

شگفتہ ایک شاعر حامد علی مرزا کوکب ولی عہد بہادر کے مصاحبوں میں تھے۔ انھوں نے عرض کیا کہ خانہ زاد نے مصرع لگایا ہے"۔

"حکم ہوا پڑھو"۔

"شانِ توتی الملک دکھلا دیکھی شان تنزع
باز آ تقصیر سے بس گوشمالی ہو چکی" [1]

بہرحال اس میں کوئی شک نہیں کہ واجد علی شاہ ہندوستانی ادبیات اور مشرقی تمدن کے سرپرست اور محسن تھے۔ انھوں نے اردو ادب اور ہندوستانی موسیقی و ڈرامے کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔

---

[1] سلطان عالم واجد علی شاہ صفحہ ۱۱۴ تا ۱۱۸۔

Marfat.com

وفات

آہ! یہ خوبصورت اور دلفریب نقش تو مٹنے کے قابل نہ تھا مگر ہائے زمانے نے مٹا ہی ڈالا۔ واجد علی شاہ نے ۲۰ ستمبر ۱۸۸۷ء مطابق ۲ محرم ۱۳۰۵ھ کا دن گزار کر رات دو بجے انتقال کیا۔ اس المناک واقعہ سے متاثر ہو کر مولانا عبد الحلیم شرر لکھنوی لکھتے ہیں:

"ہائے جیسے بہت سے لوگ رو چکے ہم اُسے اب رونے بیٹھے ہیں۔ مگر پھر بھی تازہ غم ہے۔ افسوس یہ رنج موجودہ نسل کو مدتوں یاد رہے گا۔ اے لکھنؤ کی آنکھ کے تارے اور اودھ کی شام کے چراغ جو ہندوستان کے مشرقی کنارے پر ایک دھندلی روشنی سے چمک رہا تھا تیری نسبت ہمارا یہ خیال نہ تھا کہ تو یوں یک بیک گل ہو جائے گا۔ افسوس فورٹ ولیم کا ایک پہلو اور لکھنؤ کی امیدگاہ اور اودھ والوں کے دل کی منزل سب کی سب ایک ساتھ اجڑ گئیں۔ ہائے لکھنؤ کا خانماں برباد مسافر جو ہزاروں آرزوؤں کو پہلو میں لیے مٹیا برج میں بیٹھا دریائے ہگلی کے مد و جزر سے انقلاب روزگار کا تماشہ دیکھا کرتا تھا۔ ۲۱ ستمبر ۱۸۸۷ء کو ملک جاوداں کا راہی ہوا۔ برٹش تاج کا جانثار شہید۔ لارڈ ڈلہوزی کے خنجر کا وفادار بسمل اور اس کے ساتھ لکھنؤ کے بڈھوں کی آرزوؤں کا بڑا طومار خدا جانے کن کن حسرتوں کے ساتھ بنگلے کی خاک میں دبا دیا گیا۔"[1]

"جانِ عالم محمد واجد علی شاہ کا مرنا لکھنؤ والوں کے لیے قیامت سے

---

[1] گذشتہ لکھنؤ ص۸۵

Marfat.com

کم نہیں افسوس اس وقت وہ سماں ہماری آنکھوں کے سامنے پھر گیا
جب یہ غریب الوطن اور نامراد مسافر عازم انگلینڈ لکھنؤ چھوڑ کر کلکتے کو
روانہ ہوا تھا۔ خدا جانے کس منحوس وقت قدم نکالا تھا کہ پھر لکھنؤ دیکھنا
نہ نصیب ہوا۔ ایک لٹا ہوا قافلہ رعایائے اودھ کو روتا چھوڑ گیا تھا
جس میں کے اکثر بلکہ قریباً کل لوگ پہلے ہی رہ نوردِ عالمِ بالا ہو چکے۔
قافلہ سالار رہ گیا تھا۔ ہائے اب وہ بھی چل بسا ؟

"غور سے دیکھا جائے تو تاریخ اودھ ہی نہیں ہندوستان بھر
کی تاریخ میں اس کے اٹھ جانے سے بہت بڑا تغیر ہو گیا۔ تاریخ
اودھ میں تو اسی قدر ہوا کہ دہلی کے تخت و تاج کی کمزوری کے زمانے
میں جس خاندان نے اودھ کا نام بالتخصیص اور جداگانہ قوت کے ساتھ
تاریخ میں لکھوا دیا تھا اس کا خاتمہ ہو گیا مگر ہندوستان کی عام تاریخ
میں یہ بڑا عظیم الشان تغیر ہوا کہ ہندوستان کی دوسری فاتح قوم
یعنی مسلمانوں سے شاہی کا لفظ جاتا رہا۔ ہندستان کے مسلمانوں کا
پچھلا شخص تھا جو زندگی بھر بادشاہ کہلایا اور اس کے بعد کسی کی نسبت
یہ لفظ نہ استعمال کیا جائے گا۔ ہندوستان کی تاریخ کے سارے
ورق الٹ ڈالیے مگر ایسا تغیر بہت کم نظر آئے گا۔ یا تو ایک دفعہ
جب آرین بہادروں کی سلطنت کا خاتمہ ہوا تھا اور تخت و تاج
ہند تک مسلمانوں کا ہاتھ پہنچ گیا تھا ایسا تغیر ہوا تھا کہ اب محمد واجد
علی شاہ جنت آرام گاہ کے مرنے پر وہی سماں جو سات سو برس
پیشتر نظر آیا تھا آنکھوں کے سامنے پھر گیا ؟

"محمد واجد علی شاہ مرحوم کے مرثیے پر جس قدر زور دیا جائے

Marfat.com

کم ہے ... سلطان عالم مرحوم کے کریکٹر کی نسبت نہایت ہی مختلف
خیالات ظاہر کیے جاتے ہیں یا یوں کہنا چاہیے کہ بعض ظالموں کی ناجائز
کارروائیوں سے قومی وقعت کا جنازہ بڑی بے عزتی کے ساتھ اٹھایا
جاتا ہے حالانکہ جہاں تک غور کیا جائے ہم مرحوم کو کسی حیثیت سے
موردِ الزام نہیں ٹھہرا سکتے"[1]

بادشاہ کی وفات پر شعراء نے صدہا قطعات تاریخ کہے اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔
سید مسعود حسن مسعود کا یہ قطعہ تاریخ اس کا ثبوت ہے ؎

کیا برٹش افسر نے ان کو طلب — تو کلکتہ پہونچے بحالِ سقیم
گئے لکھنؤ سے وہ پھر دادخواہ — نظر برعنایاتِ ربِّ کریم
وہ اختر تھے اک شاعر نامدار — کہ رکھتے تھے اس فن میں فکرِ سلیم
نہ نکلی مگر جو نکہ کوئی سبیل — ہوئے چار ناچار اس جا مقیم
عدم کو گئے آہ غربت نصیب — اٹھی ہند سے ایک ہستی عظیم

ملا سالِ رحلت یہ مسعود کو
عقیل و خردمند دانا فہیم[2]

مٹیا برج کی تباہی

انتزاع سلطنت اودھ کے وقت انگریزی سرکار نے واجد علی شاہ سے
ایک معاہدہ تحریر کرانے کی کوشش کی تھی۔ اس معاہدے کو بادشاہ نے منظور نہیں
فرمایا تھا۔ معاہدہ منظور نہ کرنے کی پاداش میں لارڈ ڈلہوزی نے ۱۸۵۶ء میں
اودھ پر زبردستی قبضہ کر لیا۔ مذکورہ معاہدہ سات دفعات پر مشتمل تھا۔ اس

---

[1] جانِ عالم صفحہ ۱۴۹-۱۵۰-۱۵۱۔ [2] عندلیب تواریخ صفحہ ۱۱۵-۱۱۶۔

Marfat.com

معاہدے کی دفعہ ۱۲ اور ۵ میں کمپنی کی طرف سے اقرار کیا گیا تھا کہ خطاب بادشاہت سلطان عالم واجد علی شاہ اور ان کے جائز ورثا میں ہمیشہ برقرار رہے گا، چونکہ یہ مناسب اور ضروری ہے کہ شاہ اودھ کا تاج مناسب عزت اور وقار کے ساتھ باقی رہے لہٰذا یہ وعدہ اور اقرار کیا جاتا ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی شاہ موصوف کو اودھ کی آمدنی میں سے بارہ لاکھ روپیہ سالانہ دیتی رہے گی نیز یہ کہ کمپنی مذکور پیلس گارڈ کی تنخواہ وغیرہ کے لیے تین لاکھ روپیہ سالانہ مقرر کر دے گی اور یہ کہ بادشاہ کے ہر جانشین کو بارہ لاکھ روپیہ دیتی رہے گی۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ اس معاہدے کو بادشاہ نے منظور نہیں فرمایا مگر کلکتہ میں جب بادشاہ بے حد مالی پریشانیوں میں مبتلا ہو گئے تو انھوں نے انگریزی تجاویز کو منظور کر لیا اور لندن میں دائر مقدمہ بھی واپس لے لیا، اس سلسلے میں مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی کا کہنا ہے:

"بادشاہ حراست ہی میں تھے کہ لکھنؤ کا غدر فرو ہو گیا اور مسیح الدین خان نے جو لندن میں بادشاہ کے مختار عام تھے پھر اپنا دعویٰ پیش کیا۔ انھیں بادی النظر میں کامیابی اور استرداد سلطنت کی پوری امید تھی مگر بدقسمتی سے ان لوگوں نے جو قلعہ میں بادشاہ کے مشیر اور مصاحب تھے خواہ کسی بیرونی تحریک سے یا خود اپنے نفع کے خیال سے ایک سازش ہوئی ۔ ۔ ۔ لہٰذا سب نے بادشاہ کو سمجھانا شروع کیا کہ جہاں پناہ بھلا کبھی کسی نے ملک لے کر دیا ہے؟ مسیح الدین خاں نے حضور کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ ہونا ہوانا کچھ نہیں ہے اور جہاں پناہ مفت میں تکلیف اٹھا رہے ہیں۔ ڈیڑھ دو سال سے تنخواہ نہیں لی ہے۔ ہر بات کی تنگی ہے اور

Marfat.com

ہم ملازمان دولت بھی پیسے پیسے کو محتاج ہیں مناسب یہ ہے کہ حضور گورنمنٹ انگریزی کی تجویزوں کو قبول کرلیں .... بادشاہ کو خرچ کی تنگی تھی۔ اور بادشاہ سے زیادہ ان کے رفقا پریشان تھے۔ مصاحبوں نے جب بار بار یہ تجویز پیش کی تو بلا تکلف حضور وائسرائے کی خدمت میں لکھ بھیجا: "مجھے سرکار انگریزی کی مجوزہ ماہوار لینا منظور ہے۔ لہٰذا میری اس وقت تک کی تنخواہ دی جائے اور مقدمہ جو لندن میں دائر ہے خارج کیا جائے۔" جواب ملا: "اب آپ کو اول گزشتہ ایام کی ماہوار نہ دی جائے گی۔ صرف اسی وقت سے ماہوار جاری ہوگی۔ دوسرے فقط بارہ لاکھ روپے سالانہ دیے جائیں گے اور جو تین لاکھ روپیہ سالانہ آپ کے ملازمین کے لیے تجویز کیے گئے تھے اب ان کے دینے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔"

"بظن غالب بادشاہ اس نقصان کو گوارا نہ کرتے۔ مگر مصاحبوں نے اس پر بھی راضی کر دیا۔ اور گورنمنٹ آف انڈیا نے انگلستان میں اطلاع دی کہ واجد علی شاہ نے گورنمنٹ کی تجویز کو منظور کر لیا۔ لہٰذا ان کا مقدمہ خارج کیا جائے۔ یہ واقعات میں نے خود اپنے نانا منشی قمر الدین صاحب کی زبان سے سنے ہیں جو جناب عالیہ کے ہمراہی دفتر کے میر منشی اور مولوی مسیح الدین خاں کے نائب خاص تھے۔"[1]

غرض جب بادشاہ نے مجوزہ ماہوار لینا قبول کر لیا اور مقدمہ بھی واپس لے

---

[1] گزشتہ لکھنؤ صفحہ ۸۰۔

Marfat.com

لیا تب مندرجہ بالا غیر منظور شدہ معاہدے پر عمل درآمد لازمی ہو جاتا ہے۔ لہٰذا بادشاہ کی وفات کے بعد معاہدے کی رو سے اس کے جانشین کو بھی کم از کم وہی مراعات حاصل ہونا چاہیے تھیں جو واجد علی شاہ کو بدرجہ مجبوری حاصل تھیں مگر واجد علی شاہ کے انتقال کے فوراً بعد تمام ساکنان مٹیا برج نظر بند کر دیے گئے اور شاہی محل سرا پر پہرہ بٹھا دیا گیا[1]۔ بادشاہ کے انتقال کے تیسرے ہی دن تین دفعات پر مشتمل ایک ایکٹ پاس ہوا کہ واجد علی شاہ کی تمام املاک پر قابض اور منصرف ہونے کا حق صرف گورنر جنرل اور ان کی کونسل کو ہے[2]۔ اور اس ایکٹ کے خلاف کسی عدالت میں کوئی چارہ جوئی نہ ہو سکے گی[3]۔ انگریزوں کے اس صریح ظلم اور بے انصافی کی بھی مثال دنیا کے پردے پر نہیں ملے گی۔ کسی کو بھی یہ امید نہ ہو گی بلکہ کسی نے یہ سوچا بھی نہ ہو گا کہ بادشاہ کی آنکھ بند ہوتے ہی اُن کے متوسلین جن کی تعداد کم از کم بیس ہزار تھی ایک دم سے انگریزوں کے جور و ستم کا شکار ہو کر بے روزگار ہو جائیں گے اور جیتے جی مر جائیں گے۔ بہرحال بادشاہ کے متوسلین نہایت مشکلات میں مبتلا ہو گئے۔

کلکتہ میں اس وقت واجد علی شاہ کے بڑے بیٹے مرزا قمر قدر بہادر تھے۔ واجد علی شاہ کے متوسلین کا ایک وفد مرزا قمر قدر بہادر سے ملا اور ان سے داد و فریاد کی مگر مرزا قمر قدر بہادر انگریزوں کی مرضی کے خلاف کچھ کرنا نہیں چاہتے تھے لہٰذا انھوں نے وفد سے اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔

واجد علی شاہ کے سب سے بڑے بیٹے اور پہلی جنگ آزادی کے ہیرو برجیس قدر بہادر اپنی والدہ بیگم حضرت محل کے ہمراہ جلاوطنی کی زندگی کاٹھمنڈو نیپال میں

---

[1] سلطان عالم واجد علی شاہ صفحہ ۳۱۲۔ [2] وہی ص ۳۱۲
[3] وہی ص ۳۱۲

Marfat.com

بسر کر رہے تھے۔ انھوں نے ۱۸۶۹ء ۱۲۹۶ھ میں اپنی والدہ کے انتقال کے بعد اپنے والد کے پاس کلکتہ آنے کی درخواست سرکار انگریزی میں گذاری تھی۔ سرکار انگریزی نے برجیس قدر بہادر کو کلکتہ آنے کی اجازت تو دے دی مگر اجازت ملنے میں اتنی تاخیر ہوئی کہ واجد علی شاہ کا انتقال ہو گیا۔ بہر حال واجد علی شاہ کے متوسلین کا وفد بادشاہ کے اس جائز وارث اور حقیقی جانشین کے پاس کاٹھ منڈو نیپال گیا اور ساری کیفیت سے برجیس قدر بہادر کو آگاہ کیا۔ برجیس قدر بہادر اپنے اہل و عیال کے ساتھ اسی وفد کے ہمراہ کلکتہ تشریف لائے۔ برجیس قدر بہادر جب کلکتہ کے حدود میں داخل ہوئے تو انگریزی افواج نے ان کی سواری کا محاصرہ کر لیا۔ اس صورت سے مٹیا برج تک برجیس قدر بہادر انگریزی افواج کے محاصرے میں آئے۔ جب وہ محل سرا میں داخل ہو گئے تو محل کے چاروں طرف فوج تعینات کر دی گئی۔ فوراً ہی وائسرائے کا پیغام آیا کہ وہ برجیس قدر بہادر سے ملنا چاہتا ہے۔ برجیس قدر نے وائسرائے سے کہلوایا کہ اگر وائسرائے بہادر یہاں تشریف لانا چاہتے ہیں تو بصد شوق تشریف لائیں اور اگر مجھے طلب فرماتے ہیں تو میں اس شرط کے ساتھ حاضر ہونے کو تیار ہوں کہ میرے اردگرد کوئی پہرہ چوکی نہ ہو۔ برجیس قدر بہادر کا یہ جواب پاکر وائسرائے نہ خود آیا اور نہ اس نے برجیس قدر بہادر ہی کو بلایا بلکہ اپنے سکریٹری کو بھیجا۔ سکریٹری نے آکر برجیس قدر بہادر سے عرض کیا کہ وائسرائے بہادر کا حکم ہے کہ چونکہ آپ بادشاہ کی اولاد اکبر ہیں لہٰذا انگریزی سرکار آپ کو تین ہزار روپیہ ماہوار پنشن دینا منظور فرماتی ہے۔ باقی متعلقین کو حسب مراتب اور انگریزی سرکار کے حکم کے بموجب گذارہ مقرر فرمایا جائے گا۔ برجیس قدر بہادر نے وائسرائے کی اس تجویز کو قطعی طور پر نامنظور کر دیا۔ انھوں نے سکریٹری سے فرمایا کہ انگریزی سرکار نے پدر بزرگوار مرحوم کو پہلے ۱۵ لاکھ روپیہ سالانہ نسلاً بعد نسلٍ دینا منظور فرمائے تھے

مگر بعد میں یہ رقم گھٹا کر ۱۲ لاکھ روپیہ سالانہ کر دی گئی۔ ہم واجد علی شاہ کے جائز وارث اور جانشین ہیں، معاہدے کی رو سے انگریزی سرکار ہمیں بھی ۱۲ لاکھ روپیہ سالانہ دے تا کہ حضرت سلطان عالم واجد علی شاہ مرحوم کے تمام متعلقین اور متوسلین ہماری سرکار سے وابستہ رہیں اور بادشاہ جو کارخانہ یہاں قائم کر گئے ہیں ہم اس کو اسی طرح قائم رکھیں۔ ہمیں اپنی ذات کے لیے پنشن نہیں چاہیے۔ اس وقت ہزاروں لوگوں کی روٹی روزی کا سوال ہے ہمارے پدر بزرگوار حضرت سلطان عالم واجد علی شاہ مرحوم جو نظام یہاں رائج فرما گئے ہیں، ہم اس کو اسی طرح برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ اگر یہ نظام درہم برہم ہو گیا تو مٹیا برج تباہ ہو جائے گا۔ ہزاروں لوگوں کی تباہی ہمیں منظور نہیں ہے۔ سکریٹری واپس چلا گیا۔ دوسرے دن وائسرائے کا جواب آیا کہ آپ کے مطالبات کا فیصلہ لندن سے حکم آجانے پر ہوگا لہٰذا آپ کا معاملہ برٹش سرکار کے حضور پیش کرنے کے لیے لندن بھیجا جا رہا ہے۔ برجیس قدر بہادر ان معاملات کی خود پیروی کرنے کے لیے لندن جانے کی تیاری کرنے لگے مگر وائسرائے نے برجیس قدر بہادر کو زہر دغا سے قتل کرا دیا۔ مرزا علی اظہر برلاس ناقل ہیں:

"راقم الحروف کے بچپنے میں مٹیا برج میں یہ بات عام طور پر مشہور تھی جس کو میں نے خود بعض ثقہ حضرات سے سنا تھا کہ انگریزوں کی ایماء سے پرنس مرزا قمر قدر محمد علی بہادر مرحوم نے مرزا برجیس قدر کو اپنی کوٹھی واقع خضر پور میں کھانے کی دعوت میں زہر دے دیا۔ برجیس قدر کے مرنے کے بعد انگریزوں نے مرزا قمر قدر کو واجد علی شاہ کا سب سے بڑا بیٹا تسلیم کر کے تین ہزار روپیہ ماہوار پنشن مقرر کر دی جو ان کو تاحیات ملتی رہی۔"[1]

---

[1] تاریخی شہ پارے صفحہ ۲۴۶، ۲۴۷۔

Marfat.com

برجیس قدر بہادر کی بیوی مہتاب آرا بیگم جو سات مہینے کے حمل سے تھیں ناسازی طبیعت کے باعث اس دعوتِ قتل میں تشریف نہیں لے گئیں اور برجیس قدر بہادر کی ایک چار سالہ لڑکی جو ماں کی وجہ سے رک گئی تھی بس یہ دو نفر، اور مادرِ شکم میں ایک معصوم، کی جانیں بچ گئیں۔ برجیس قدر کی وفات کے فوراً بعد انگریزی سرکار نے مرزا قمر قدر بہادر کو واجد علی شاہ کا سب سے بڑا لڑکا تسلیم کر کے تین ہزار ماہوار کی پنشن مقرر کر دی اور واجد علی شاہ کی ساری جائداد اور املاک کھود کر اور نیلام کر کے مساوی طور پر تقسیم کر دی۔ واجد علی شاہ کے تمام متوسلین اور ملازمین کو برطرف کر دیا گیا۔ کئی ہزار لوگ بے روزگار ہو کر دربدر ٹھوکریں کھانے لگے۔ شرر لکھنوی مٹیا برج کی تباہی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"مگر برٹش گورنمنٹ کی عدالت گستری نے واجد علی شاہ کا ترکہ تقسیم کرنے اور ان کے ورثا کی دادرسی میں یہ شان عدالت دکھائی کہ ساری جائداد سارا گھر بیچ کے حصہ رسدی سب میں تقسیم کر دیا جائے۔ اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ مٹیا برج کی اینٹ سے اینٹ بج گئی .... لاکھوں کا سامان کوڑیوں کو بک گیا۔ اور وہی بقعہ جو چند روز میں باغ ارم بن گیا تھا حضیض ادبار کا جہنم ہو کے رہ گیا۔"[1]

دراصل انگریز مشرقی تمدن کا نام و نشان مٹا دینا چاہتے تھے۔ لکھنؤ کو وہ تباہ کر ہی چکے تھے۔ اب مٹیا برج کو اس لیے تباہ کرنا ضروری تھا کیونکہ مشرقی تمدن کی آخری شمع یہاں روشن تھی۔ دوسرے واجد علی شاہ نے اپنے

---

[1] گذشتہ لکھنؤ صفحہ ۸۹۔

Marfat.com

محدود ذرائع میں مٹیا برج کو دوسرا لکھنؤ بنا دیا تھا۔ اس سے بادشاہ کی زبردست صلاحیتوں، منتظم کاری اور اہلیت کا پتا بھی چلتا تھا۔ لہٰذا انگریزوں نے سب کچھ خاک میں ملا دیا۔ شررؔ کا کہنا ہے:

"اگر کوٹھیوں اور مکانوں کو اُسی حالت میں تقسیم کر دیا جاتا تو بھی وہ شاید قائم رہ جاتیں۔ مگر انگریزوں کو اس میں زیادہ انصاف نظر آیا کہ کل کوٹھیاں اور سامان فروخت کر دیا جائے اور نقد روپیہ ورثہ میں تقسیم ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سب کوٹھیاں کھود ڈالی گئیں باغ اور رمنے ویران ہو گئے۔ غرض واجد علی شاہ کے زمانے کے مٹیا برج کا اب نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔"[1]

واجد علی شاہ پر الزامات و اتہامات

بقول سرجان کے (SIR JOHN KEYE) کہ ہم لوگوں میں یہ رسم ہے کہ پہلے کسی دیسی حکمراں کی حکومت پر قبضہ کرتے ہیں اور پھر معزول فرمایا اس کے جانشین کو بھی کھول کر بدنام کرتے ہیں۔ اس انگریزی رسم و دستور کی زد میں یوں تو ستارا، جھانسی، سنبھل پور، تیج پور، کرناٹک وغیرہ بہت سی ریاستیں آئیں مگر حقیقت یہ ہے کہ انگریزی پروپگنڈے کی تمام بارود اودھ پر ختم ہوئی، چونکہ انگریزوں کے خلاف پہلی جنگ آزادی کی علمبرداری پوربی سپاہیوں نے کی تھی اور انتزاع سلطنت واجد علی شاہ کے عہد میں ہوا تھا اس لیے خصوصیت کے ساتھ انگریزی پروپیگنڈے کا وہی نشانہ بنے اور تمام

---

[1] جان عالم ص۱۹۲۔

Marfat.com

الزامات کے ذمہ دار بھی ٹھہرائے گئے[1]

انگریز مورخین واجد علی شاہ پر جو الزامات واتہامات عائد کرتے ہیں ان کی تو ایک طویل فہرست ہے اور ان جھوٹ کے انگریزی پلندوں کی کیا حقیقت ہے یہ بات صاحب نظر خوب جانتے ہیں۔ ہاں ہمیں شکایت ہے تو اپنے ان ہم وطن مورخین سے جنھوں نے چاندی کے چند سکّوں کے لیے انگریزی پروپگنڈے کی حمایت میں اپنے ہی وطن کی مقتدر ہستیوں کو بدنام کرنے میں زور قلم دکھایا — واجد علی شاہ پر جو الزامات واتہامات عام طور پر عاید کیے جاتے ہیں ان میں پہلا کثرت ازدواج، دوسرا موسیقی، تیسرا مذہبی تعصب اور چوتھا الزام مولوی امیر علی کے قتل کا ہے۔ مگر تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ یہ الزامات واتہامات بے حقیقت اور بے اثر ہیں اور واجد علی شاہ کے فرضی گناہ ایک کتاب سے دوسری کتاب میں نقل کیے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ واجد علی شاہ کے بے شمار ہم وطن بھی ان میں سے بہت سے گندے اور جھوٹے الزاموں کو سچّا مانتے چلے آرہے ہیں۔[2]

آئیے اب واجد علی شاہ پر لگائے گئے مندرجہ بالا الزامات واتہامات کو تحقیق وتفتیش کی روشنی میں دیکھیں۔ بادشاہ پر پہلا الزام بیگمات کی فوج کا ہے۔ اس الزام کے بارے میں مولانا عبدالحلیم شررؔ لکھنوی کا بیان ملاحظہ ہو:

"معترضین نے اس بارے میں بادشاہ کی حالت پر غور نہیں کیا۔ اس لیے کہ ممتوعات کی کثرت تو ان کے اتقا اور پابندی شرع کی دلیل تھی۔ اور اتقا بھی ایسا جیسا کہ معمولی مسلمانوں میں بھی کم دیکھا گیا ہے۔ تمام بادشاہان اسلام کی نسبت آپ سنتے ہیں کہ ان کے محل میں

---

[1] لکھنؤ کی تہذیبی میراث ص۱۱۱۔ [2] سن ستاون ص۲۰۔

Marfat.com

چند بیویوں کے ساتھ ہزاروں کنیزیں بھری ہوئی تھیں۔ بنی امیہ بنی عباس اور بنی فاطمہ خلفاء کے حریم خلافت کا یہی حال تھا۔ سلاطین آل عثمان کے محلوں کی یہی کیفیت تھی۔ شاہان مغلیہ ہند کی حرم سراؤں کا یہی رنگ تھا۔ اور اب اگرچہ بردہ فروشی ممنوع اور جائز کنیزوں کی فراہمی کا سلسلہ مسدود ہو گیا مگر ہندوستان کے مسلمان والیانِ ملک کے محل اور زنان خانے اسی طرح بے شمار عورتوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ جن کے جائز ناجائز ہونے کا کبھی انھیں خیال بھی نہ آتا۔ لہذا واجد علی شاہ نے شرعی پہلو کی نگہداشت کے ساتھ اپنا شوق پورا کیا تو کون اعتراض کر سکتا ہے؟ ... متعہ کو علمائے شیعہ ہی نے جائز نہیں کیا بلکہ بعض اکابر صحابہ اس کے جواز کے قائل تھے۔ اہلسنت کے بعض ائمہ فقہ نے متعہ کو اصولی بحث کر کے مباح کر دیا کہ متعہ ایک معاہدہ نکاح ہے۔ یہ قید زمانہ اور اصولاً جس معاہدے کے ساتھ کوئی ناجائز شرط لگا دی جائے تو معاہدہ قائم رہتا ہے۔ اور شرط ناجائز ساقط ہو جاتی ہے لہذا متعہ کرنے سے عورت کے ساتھ نکاح ہو جاتا ہے اور اس میں سے موقت ہونے کی شرط اُڑ جاتی ہے .... اب رہا یہ کہ اخلاقی اور تمدنی حیثیت سے بادشاہ کو اتنی عورتوں سے متعہ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ بادشاہ نہایت ہی محتاط اور پرہیزگار تھے ... انھیں ایک گھڑی کے لیے بھی گوارا نہ تھا کہ کسی نامحرم عورت پر اُن کی نظر پڑے مگر شاہی محل تھا۔ جس میں بیش خدمتوں محلداروں مغلانیوں، مکان دارنیوں، یہاں تک کہ بہشتنوں اور خاکروبنوں

کے ایک گروہ کثیر کے موجود رہنے کی ضرورت تھی۔ ممتوعات میں چند ہی تھیں جن کے ساتھ خلوت گاہ میں داخل کرنے کی غرض سے متعہ کیا گیا ہو۔ سب خدمت گارنیاں تھیں۔ لیکن چونکہ متعہ ہوجاتا لہٰذا جائز تھا کہ ان میں سے کوئی پسند آئے تو خلوت میں بلالی جائے[1]۔
آگے شررؔ لکھنوی زوردار الفاظ میں لکھتے ہیں:

"...... ایک مسلمان بادشاہ کے لیے جن جن امور کی ضرورت ہے اُن میں سے چند ہی باتیں ایسی تھیں جو اس شخص میں نہ ہوں۔ وہ اول درجے کا دیندار تھا۔ اُس کی نماز نہیں قضا ہوئی تھی۔ روزوں کا وہ سچے شوق کے ساتھ پابند تھا۔ زنا سے اُسے زندگی بھر پرہیز رہا۔ یہ باتیں ایسی ہیں جن کو اس وقت سے دو صدی پیشتر تک چراغ لے کے تمام دنیا میں ڈھونڈھیے تو کسی بادشاہ میں نہ نکلیں گی۔ بہت بڑا الزام مرحوم کو یہ دیا جاتا ہے کہ وہ ممتوعات اور بیگمات کی ایک جماعت کثیر چھوڑ کر مرے ہیں۔"

"واقعی یہ الزام صحیح ہے لیکن جب وقت ہم مرحوم اور ادھر دو سو برس تک کے شاہان اسلام کا مقابلہ کرتے ہیں تو ہمیں سخت حیرت ہوتی ہے۔ خصوص جب کہ اور بادشاہوں کو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ الزام سے بالکل بری رکھے گئے۔ کیونکہ شاہان دہلی کی حرم سراؤں میں ازدواج کی تعداد سیکڑوں سے کم نہ تھی۔ حال کے نظام حیدرآبادہی کو دیکھیے جن کی زندگی کا نصف حصہ بھی ابھی نہیں

---

[1] جان عالم ص۳۰ تا ۳۴۔

Marfat.com

گزرا ہے حالانکہ محلات عالیات کا شمار چار سو سے گزرتا معلوم ہوتا ہے :

"یہ لوگ جن کو ان کی شریعت اور ان کے مذہب سے کوئی موقع اس بات کا نہیں مل سکتا تھا کہ ازدواج کا نمبر چار پر ایک بھی زیادہ کر سکیں چار چار سو کی تعداد پر بھی الزام سے بچا لیے گئے۔ اور غریب واجد علی شاہ کو اپنے مذہب سے اس بات کی اجازت تھی کہ ممتوعات کا شمار چاہے جس حد تک پہنچائے اپنی شریعت کی پابندی کی صورت میں بھی ہر جانب سے مورد طعن قرار دے دیا جائے۔ کتنی بڑی حیرت کی بات ہے۔ الزام دینے والوں کو شرمانا چاہیے بلکہ جن لوگوں نے واجد علی شاہ کے چال چلن کا خوب اچھی طرح اندازہ کیا ہے ان کو بخوبی معلوم ہے کہ ازدواج کی یہ تعداد کثیر سراسر ان کی نیک نیتی کی دلیل ہے۔ یہ شخص خدا سے بہت ڈرتا تھا۔ زنا سے اُس کا دل کانپ اٹھتا تھا۔ اس کو کبھی اتنی جرأت نہ ہوئی کہ کسی نامحرم عورت کی صورت بھی دیکھے اور اسی ضرورت سے اس کے گھر میں جو عورتیں جو خادمہ اور پیش خدمت کا کام انجام دیتی تھیں اُن سے بھی متعہ کی شرعی رسم برت لی جاتی تھی تاکہ کبھی مالک کی نظر بری پڑے تو بھی جائز ہو۔[1]"

بادشاہ پر دوسرا الزام موسیقی کا ہے۔ پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیب فرماتے ہیں :

---

[1] جان عالم صفحہ ۱۵۱ - ۱۵۲

"واجد علی شاہ اپنے زمانہ میں ہندوستانی موسیقی، رقص اور ناٹک کے سب سے بڑے سرپرست تھے۔ انھوں نے ان فنون کو ترقی دینے کے لیے اپنے محدود ذرائع کے اندر وہ سب کام کیے جن کے لیے ہمارے زمانہ میں اتر پردیش کی حکومت نے لکھنؤ میں ہندوستانی موسیقی کا کالج اور ہندوستانی مرکزی حکومت نے دہلی میں سنگیت ناٹک اکاڈمی[1] قائم کی ہے۔" [2]

(۲)

"فنون لطیفہ، موسیقی، رقص، اداکاری وغیرہ کی سرپرستی ہندوستان کے راجاؤں اور بادشاہوں کا معمول تھا۔ موجودہ جمہوری حکومت نے بھی موسیقی کے کالج، یونیورسٹی، سنگیت ناٹک اکاڈمی، للت کلا اکاڈمی وغیرہ قائم کر دی ہیں اور ہر فن کی ترقی اور اہل فن کی ہمت افزائی طرح طرح سے کرتی رہتی ہے۔ واجد علی شاہ کے والد ثریا جاہ امجد علی شاہ بڑے مذہبی آدمی تھے۔ ان کے عہد حکومت میں اکثر محکمے علمائے مذہب کے ہاتھ میں تھے۔ مگر ارباب نشاط کا محکمہ ان کے عہد حکومت میں بھی قائم تھا۔ واجد علی شاہ کی طبیعت کو ان فنون سے گہری دل چسپی تھی۔ مگر یہ دل چسپی حظ نفس کے لیے نہ تھی بلکہ ہندوستان کے ان قدیم فنون کی سرپرستی اور ان کو ترقی دینے کے لیے تھی۔" [3]

---

[1] ۱۹۶۹ء میں اتر پردیش حکومت نے بھی لکھنؤ میں سنگیت ناٹک اکاڈمی قائم کر دی۔ (مرتب)
[2] لکھنؤ کا شاہی اسٹیج ص ۲۲۲-۲۲۳۔ [3] سلطان عالم واجد علی شاہ ص ۲-۷۳۔

Marfat.com

اس سلسلے میں مولوی عبدالحلیم شرر کی تحقیق ملاحظہ ہو :

" بادشاہ کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ ناچتے تھے۔ مگر یہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ انتزاع سلطنت کے وقت جہاں اکثر شہزادوں اور خاندان شاہی اودھ کے نامور لوگوں کو ان کے خلاف بنایا گیا۔ ان کی برائیاں طشت از بام کی گئیں وہاں ناچنے کا الزام بھی ان کے سر تھوپا گیا۔ بہت سی قلمی تصویریں ملک میں پھیلا دی گئیں جن میں دکھایا گیا ہے کہ وہ محلات کے غول میں کھڑے ناچتے اور بھاؤ بتا رہے ہیں۔ مگر مجھے خوب تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ سب وضعی اور جعلی ہیں۔ جو کچھ قیصر باغ کے میلوں کے موقع پر مشہور ہے اس کی اصلیت یہ ہے کہ بادشاہ ناچتے نہیں بلکہ کھیلتے تھے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ نہ کبھی لکھنؤ میں بہ عہد حکومت ناچے اور نہ کبھی مٹیا برج میں ناچے۔ یہ اور بات ہے کہ بہ کثرت ناچ دیکھنے اور موسیقی کے استاد ہونے کے باعث فن رقص میں انھیں اتنی بصیرت حاصل ہو گئی تھی کہ جب کوئی ناچنے والی ناچ میں غلطی کر جاتی تو پلنگ پر بیٹھے بیٹھے دونوں ہاتھ اٹھا کے بتا دیتے کہ یوں نہیں یوں ....

گانے میں البتہ کمال حاصل تھا۔ اگرچہ گلا اچھا نہ تھا مگر اصول موسیقی کے کامل استاد بتائے گئے ہیں۔ مگر میں نہیں سمجھتا ہوں کہ ان میں سے کسی کو بھی اتنی اعلیٰ معلومات حاصل ہوں جتنی واجد علی شاہ کو حاصل تھیں [1] "

---

[1] جان عالم ص ۵۰ - ۵۸ ـ

Marfat.com

بادشاہ پر تیسرا الزام مذہبی تعصّب کا ہے۔ بعض مورخین کا کہنا ہے کہ بادشاہ خود شیعہ تھے اور سنیوں سے نفرت کرتے تھے۔ حالانکہ یہ الزام بھی قطعی بے بنیاد ہے۔ فرماں روایانِ اودھ تو قومی یک جہتی کے بانی اور علمبردار تھے۔ اودھ کے تمدن میں بے تعصبی نمایاں طور پر نظر آئے گی۔ مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی سنی المذہب تھے۔ وہ واجد علی شاہ کے مذہبی تعصب کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

"بادشاہ اگرچہ شیعہ تھے مگر مزاج میں مطلق تعصب نہ تھا۔ اُن کا پرانا مقولہ تھا کہ میری دو آنکھوں میں سے ایک شیعہ ہے اور ایک سنّی ہے۔ ایک بار دو شخصوں میں مذہبی اختلاف پر مار پیٹ ہو گئی بادشاہ نے دونوں کو معزولی کا حکم دیا۔ بلکہ اپنے دہاں ممنوع الملازمت کر دیا اور فرمایا: "ایسے لوگوں کا میرے یہاں گذر نہیں ہو سکتا" آخر میں بادشاہ کی ایک کتاب میں بعض ایسے ناگوار الفاظ چھپ گئے تھے جن پر کلکتہ کے سنیوں میں بڑی شورش ہوئی مگر اس سے لوگ واقف نہیں ہیں کہ وہ الفاظ اصل کتاب میں نہیں بلکہ دوسروں کی تاریخ یا تقریظ میں تھے اور بادشاہ کو جیسے ہی اطلاع ہوئی بغیر کسی تحریک کے معافی مانگنے کو تیار ہو گئے۔ بے تعصبی کا اس سے زیادہ ثبوت کیا ہوگا کہ سارا انتظامی کاروبار سنیوں کے ہی ہاتھ میں تھا۔ وزیر اعظم منصرالدولہ بہادر سنی تھے۔ منشی السلطان جو ایک زمانے میں سب سے زیادہ مقرب اور سارے جانور خانے، کل اہل قلم اور کئی محکموں کے افسر اعلیٰ تھے سنی تھے۔ بخشی امانت الدولہ بہادر جن کے ہاتھ سے کل ملازموں

حتیٰ کہ محلوں اور شاہزادوں تک کو تنخواہ ملتی تھی سنّی تھے ۔۔۔
عطار دالدولہ اور داروغہ معتبر علی خاں جو آخر میں سب سے
بڑے عہدہ دار اور کل کاروبار کے مالک تھے ۔ دونوں سنّی تھے۔
اس سے بڑھ کے کیا ہوگا کہ امام باڑہ سبطین آباد کا اور محل کے
خاص امام باڑے بیت البکا کا انتظام اور مجلسوں اور مذہبی تقریبوں
کے بجالانے کا انصرام بھی سنّیوں ہی کے ہاتھ میں تھا ۔ وہاں کبھی کسی نے
اس کو محسوس ہی نہیں کیا کہ کون سنّی ہے اور کون شیعہ ہے[1]"

پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیب فرماتے ہیں :

"واجد علی شاہ مذہبی احکام کے بہت پابند تھے ۔ مگر مذہبی تعصب
سے پاک تھے ..... اعلیٰ عہدہ دار اکثر سنی تھے اور یہ بادشاہ کی
بے تعصبی کی دلیل تھی ..... یہی بے تعصبی کا برتاؤ دوسرے
برادران وطن صاحبان ہندو کے ساتھ بھی تھا ۔ وہ بڑے
ذمہ دار اور بڑی بڑی تنخواہوں والے منصبوں پر فائز تھے[2]"

بادشاہ پر چوتھا الزام مولوی امیر علی کے قتل کا ہے ۔ اودھ کی تاریخ میں
مولوی امیر علی کے قتل کے واقعہ کو بھی بہت اہمیت دی گئی ہے ۔ مولوی امیر علی
کے قتل کے واقعات تاریخ میں بڑی تفصیل کے ساتھ ملتے ہیں ۔ مگر اکثر صاحبان
نظر ان واقعات کو درست تسلیم نہیں کرتے ، ان کے خیال میں اس کے بیشتر واقعات
سرکاری نقطہ نظر کی ترجمانی پر مبنی ہیں ۔ اس سلسلے کی ایک کتاب حدیقہ شہداء
ہے جس کے مولف مرزا جان ہیں ۔ یہ مولوی امیر علی کے رفقاء میں تھے ۔ مولوی
امیر علی کے قتل کے سلسلے میں حدیقہ شہداء مستند سمجھی جاتی ہے ۔ اس کتاب

---

[1] گذشتہ لکھنؤ ص ۸۶ ۔ [2] سلطان عالم واجد علی شاہ ص ۷۳-۷۵

Marfat.com

کا مطالعہ کرنے کے بعد جو واقعات و حالات سامنے آتے ہیں۔ ان سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مولوی امیر علی کے قتل کی ذمہ داری واجد علی شاہ پر عاید ہوتی ہے بلکہ حدیقۃ شہداء کا اگر غور سے مطالعہ کیا جائے تو بادشاہ کی انصاف پسندی اور ایمانی جذبہ کا پتا چلتا ہے۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ ایک دو نہیں صدہا مسجدیں ویران اور بے رونق پڑی ہیں اور مسلمانوں کی بے حسی کا یہ عالم ہے کہ کوئی ان کا پرسان حال نہیں ہے بلکہ اودھ کے مرکز لکھنؤ کے مسلمانوں کی منافرت کا یہ عالم ہے کہ ایک فرقہ دوسرے فرقہ کی مساجد کی بے حرمتی خود کرتا ہے۔ دراصل ملک میں مذہبی فسادات کے جنم داتا انگریز ہی ہیں۔ آج سے تقریباً سوا سو برس قبل انگریزوں کے اشارے پر اودھ میں ہنومان گڑھی کی ایک مسجد کے لیے ہندو مسلم فساد ہوا۔ ظاہر ہے کہ اس فساد کا مقصد سلطنت کو بدنام کرنا تھا۔ ہنومان گڑھی کی مسجد کے بارے میں مولف حدیقۃ شہداء کا کہنا ہے:

"اب طرفہ ماجرا سنیے جس سے دل دو نیم ہوتا ہے قطع نظر اور مسجدوں کے اودھ میں ایک ٹیلہ تھا کافروں کی پرستش کا حیلہ تھا راجہ رام چندر نے اس مقام پر ہنومان اپنے رفیق کو بٹھایا تھا بعد فتح لنکا اس کی بزرگی کا وسیلہ تھا۔ اس لیے ہنومان پرست اس کو ہنومان بیٹھک کہتے تھے۔ بالفعل اس کا نام ہنومان گڑھی ہے حسب دستور وہاں بھی اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی نے ایک مسجد فنائی بنوا دی تھی ہندوؤں کو اس مسجد کے مٹانے میں اصرار رہا۔ بعد چندے مسلمانوں کو غافل پا کے چاہا کہ بھٹا کر دروازہ بنا کے پوجا کا رنگ جمائیں اور جس پر مورت ہنومان کی

Marfat.com

ہے یہاں وہی سنگ جائیں لیکن قاضی محمد عاقل نے جرأت
کی اس مسجد کی مرمت کی اور ان ہی کی اجازت سے باقی شاہ
فقیر مسلمان اس میں رہتا تھا نماز پڑھتا تھا اذان کہتا تھا۔ جب
شجاع الدولہ بہادر بکسر گئے۔ متصل مسجد کے چھپر ڈال لیا اور
ہنومان کی مورت کو اس میں قائم کیا مگر حاصل میں فقیر کا بھی حصّہ
رہا۔ جب فقیر کو تسخیر کر لیا رفتہ رفتہ مکان معقول تعمیر کر لیا تو آمد
بھی زیادہ ہوئی ساری قوم پوجا پر آمادہ ہوئی۔" [1]

اصلیت اس مسجد کی یہ ہے کہ جو اوپر بیان کی گئی یعنی اورنگ زیب کے زمانہ میں ہنومان گڑھی پر ہندوؤں کی مرضی کے خلاف ایک مسجد تعمیر ہوئی بہت دنوں تک اس مسجد کی شان و رونق باقی رہی لیکن ایک وقت وہ آیا کہ یہ مسجد بے رونق ہو گئی۔ ایک فقیر جو اس مسجد میں اذان دیا کرتا تھا وہ بھی نہ رہا۔ اب اس مسجد میں کوئی مؤذن بھی نہ رہا۔ یہ امجد علی شاہ کا عہد تھا۔ دن بہ دن مسجد کی حالت خستہ ہوتی گئی یہاں تک کہ مسجد کے آثار بھی باقی نہ رہے۔
ہندوؤں نے جب یہ دیکھا کہ مسجد کا کوئی پرسان حال نہیں ہے تو انھوں نے اس کو مندر میں تبدیل کر دیا۔ اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو مندر اور مسجد اللہ کے گھر ہیں۔ مگر کیا کہا جائے انسان کی تنگ نظری کو جیسے ہی قرب و جوار کے مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ مسجد مندر میں تبدیل ہو گئی ہے۔ ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ حدیقۂ شہداء میں لکھا ہے:

"بعد چندے فیض آباد سے پرچہ اخبار کا ہندو مسلمانوں کی تکرار

---

[1] حدیقۂ شہداء بحوالہ واجد علی شاہ اور ان کا عہد ص۲۴۷۔

کا بارگاہ جم جاہ میں گذرا ملاحظہ کے بعد ناظم اور کوتوال کے نام یہ دستخط ہوا کہ مسجد کی تحقیقات کر کے اثبات کو اثبات کرو ...." لہ

مگر ہنگامہ روز بروز بڑھتا ہی گیا۔ یہاں تک یہ نوبت آئی کہ زبردست ہندو مسلم فساد ہوا۔ ہنومان گڑھی کے واقعہ سے سید امیر علی کو بڑا جوش آیا اور انھوں نے جہاد چھیڑ دیا گو کہ ان کا ساتھ کسی نے نہیں دیا مگر انھوں نے جہاد کرنے کی ٹھان لی تھی۔ واجد علی شاہ ان ہنگاموں سے نہایت فکر مند تھے اور کوشاں تھے کہ ساتھ خوبصورتی کے یہ معاملہ سلجھ جائے۔ لہٰذا انھوں نے اس فتنہ کو سرد کرنے کے لیے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ حدیقہ شہداء میں لکھا ہے:

"چنانچہ حسب الحکم امیر حیدر نے امیٹھی میں جا کے جناب ممدوح سے عہد و پیماں کیا۔ مولوی صاحب نے بھی اصرار نہ زیادہ کیا لکھنؤ کا ارادہ کیا خلاصہ یہ کہ دو تین دن کے بعد امیر المجاہدین منشی امیر حیدر کے ساتھ نا کے تک پہنچے اور وہاں سے بشیر الدولہ کے ساتھ کر وہ استقبال کو گئے تھے تشریف لائے اسی آن بان مع سپر و شمشیر اپنے مجاہدین کو ساتھ لیے ہوئے نواب صاحب (بادشاہ) کے پاس آئے۔ نواب صاحب (بادشاہ) کی مروت اور اخلاق چھپا نہیں ہے وہ خاطر داری کی کہ جتنے حضار مجلس تھے دنگ ہو گئے سب کے زرد رنگ ہو گئے۔ امیر المجاہدین کا بھی وہ رعب چھایا کہ سارا دربار تھرایا۔"

"پہلے کشتی خلعت کی منگائی اور اس کے ساتھ پانسو روپے

لہ حدیقۂ شہداء بحوالہ واجد علی شاہ اور ان کا عہد ص ۲۵۰۔

Marfat.com

کی تقلیل آئی در گفتگو باز ہوا قصد دنیا سازی بلکہ دم بازی کا آغاز ہوا۔ نواب (بادشاہ) نے فرمایا سرکار تمہارے عزم بالجزم سے کہ ہمہ تن خدا کی راہ میں جان دینے کو موجود ہو بہت رضامند ہے نہایت خرسند ہے کار مردانہ کرتے ہو خدا کی راہ میں قدم دھرتے ہو خلعت پہنیے روپیہ لیجیے چندے بسر کیجیے انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب بشرط ثبوت تعمیر خانۂ خدا ہو جائے گی ہنتوں کو سزا مل جائے گی۔ امیر المجاہدین نے کہا ہم لوگ خدا کی راہ میں جان پر کھیلے ہوئے ہیں مصیبتیں جھیلے ہوئے ہیں ہمیں خلعت اور انعام سے کیا کام ہے۔ اس خلعت کا بد انجام ہے ہمیں کے عامل نہیں چکلہ دار نہیں مصاحب نہیں سپہ سالار نہیں خلعت لے کر کیا کریں آپ کو اوروں کی طرح کیوں رسوا کریں۔ یہ خلعت اور انعام نہیں ایمان فروشی ہے دنیا کے لیے دین سے چشم پوشی ہے ہمارا خلعت یہ ہے کہ رخصتِ جہاد ہو۔ اجازت سفر فیض آباد ہو کہ بیراگیوں سے انتقام خون ہر فرد مسلمان اور بے ادبی ہائے قرآن لیں[1]۔"

اگر مغل بادشاہ یا برٹش دربار میں کوئی شخص اس بے باکانہ انداز میں گفتگو کرتا تو شاید اس کی زبان گدی سے کھینچ لی جاتی۔ مگر یہ واجد علی شاہ جیسا عظیم انسان ہی تھا جو بھرے دربار میں مولوی امیر علی کے اس کورے جواب پر برہم نہیں ہوا بلکہ مؤلف حدیقہ شہدا کے بقول واجد علی شاہ

---

[1] حدیقہ شہدا بحوالہ واجد علی شاہ اور ان کا عہد صفحہ ۲۶۴-۲۶۵

Marfat.com

نے فرمایا :

"نواب (بادشاہ) نے جیسا بعض علماء سے سنا تھا فرمایا کہ یہ جہاد نہیں .... آپ اتنی جلدی کیوں کرتے ہیں ہم کو آپ سے زیادہ خیال ہے واللہ کفّار کی زیادتیوں کا بڑا ملال ہے مگر کیا کریں قابو نہیں۔ "صاحب کلاں" سے مجال گفتگو نہیں۔ جب سے کلام اللہ کے جلنے کو سنا ہے دل کباب ہو گیا ہے کلیجہ پھٹتا ہے لیکن آپ کو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کا کلام یاد نہیں دیر آید درست آید۔ آپ تھوڑے دن تامل کریں روانگی میں تساہلی کریں ہم حکمت عملی سے مسجد بھی بنوا دیں گے اور انتقام بھی بےادبوں کا لے لیں گے۔"[1]

لیکن مولوی امیر علی بادشاہ کے سمجھانے پر بھی کسی صورت راضی نہ ہوئے۔ وہ صلح اور آشتی کا راستہ ترک کر کے جہاد کی راہ پر گامزن ہو گئے۔ اور انھیں اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے مگر ان واقعات کی ذمہ داری کسی بھی طرح واجد علی شاہ پر عائد نہیں ہوتی۔ محمد باقر شمس اس واقعہ کے بارے میں لکھتے ہیں :

"واقعہ یہ ہے کہ اجودھیا میں ایک مسجد کو مندر بنا لینے، مسلمانوں کو قتل اور قرآن کو پارہ پارہ کرنے کی خبر مشہور ہوئی۔ مولوی امیر علی ساکن امیٹھی نے اعلانِ جہاد کیا۔ دور دور سے مجاہدین ان کے جھنڈے کے نیچے آکے جمع ہوئے بادشاہ کی طرف سے تحقیقات کے لیے کمیشن

---

[1] حدیقۂ شہداء بحوالہ واجد علی شاہ اور ان کا عہد صفحہ ۲۶۵-۲۶۶-

Marfat.com

مقرر ہوا۔ مولوی امیر علی کو فہمائش ہوئی کہ وہ کوئی اقدام نہ کریں۔ کمیشن نے واقعہ کی تصدیق کی ہندوؤں نے اعتراض کیا کہ اس کمیشن میں ہمارا کوئی آدمی نہ تھا سب مسلمان تھے۔ اعتراض معقول تھا دوسرا کمیشن ہندوؤں اور مسلمانوں پر مشتمل معین ہوا اس نے پہلے کمیشن کی رپورٹ کو غلط کہا اس درمیان میں مولوی امیر علی نے کئی دفعہ قصد جہاد کیا، انھیں مختلف تدبیروں سے روکا گیا۔ ادھر ہندو مسلح ہو کے اجودھیا میں جمع تھے حکومت چاہتی تھی کہ یہ جوش و خروش جو طرفین میں پیدا ہو گیا ہے فرو ہو تو واقعہ کی تحقیقات کے بعد مناسب احکام صادر ہوں۔ مولوی امیر علی اُسے ٹال مٹول سمجھتے تھے اور چاہتے تھے کہ ہندوؤں کا قتل عام اور مندر کے انہدام کا فوراً حکم ہو یا انھیں حملہ کرنے کی آزادی دی جائے۔ یہ دونوں باتیں مناسب نہ تھیں۔ حکومت نے مولوی امیر علی کو مختلف تدبیروں سے روکا وہ کسی طرح نہ مانے اور اجودھیا کی طرف کوچ بول دیا مجبوراً ان کا محاصرہ کیا گیا جس کو توڑنے کے لیے انھوں نے شاہی فوج پر حملہ کیا چند لمحوں میں وہ اور ان کی جمعیت خاک و خون میں غلطاں ہو گئی مسلمانوں نے اس پر غم و غصہ کا اظہار کیا مگر دوسری قوموں نے قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ رزیڈنٹ جو انتہائی مخالف تھا اس نے گورنر جنرل کو لکھا کہ اس سے پہلے ہندوستان میں ایسا انصاف کبھی نہیں ہوا تھا۔"[1]

---

[1] تاریخ لکھنؤ صـ ۱۲۱۔

Marfat.com

الغرض واجد علی شاہ پر جو بھی الزامات اور اتہامات لگائے جاتے ہیں وہ بے بنیاد اور من گھڑت ہیں۔ حقیقت میں تو وہ انسانیت اور شرافت کا پیکر تھے۔ مورخین نے ان کے ساتھ نہایت بے انصافی کی، شرم کی بات تو یہ ہے کہ واجد علی شاہ کے ہم وطن بھی اس بے انصافی میں برابر کے شریک نظر آتے ہیں۔

واجد علی شاہ کا علمی ذوق

واجد علی شاہ کو تصنیف و تالیف کا فطری شوق تھا۔ انھوں نے دو دیوان اور تین مثنویاں اٹھارہ برس کے سن میں تصنیف کیں اور ساری عمر تصنیف و تالیف کا شغل جاری رکھا[1] واجد علی شاہ کی تصنیفات و تالیفات کی تعداد اور منظومات کی مقدار اتنی زیادہ ہے کہ ان کا تفصیلی جائزہ ایک ضخیم دفتر میں سمائے گا[2]۔ پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیب نے اپنی کتاب "سلطان عالم واجد علی شاہ" میں واجد علی شاہ کی ستّر سے اوپر تصانیف و تالیفات کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ اردو اور فارسی نظم و نثر میں بادشاہ کی کتابوں کی تعداد سو سے زیادہ ہے۔

واجد علی شاہ بحیثیت مثنوی نگار

چونکہ واجد علی شاہ کی ایک مثنوی ہمارے پیش نظر ہے۔ لہذا یہاں ہماری بحث کا موضوع صرف صنفِ مثنوی ہے۔ مثنوی شاعری کی وہ صنف ہے

---

[1] سلطان عالم واجد علی شاہ انسان، مصنف اور شاعر ص۲۹

[2] سلطان عالم واجد علی شاہ ص۱۳۵۔

Marfat.com

جس میں ہر شعر کے دو مصرعے تو ہم قافیہ ہوں مگر ہر بیت کا قافیہ جدا ہو۔ مثنوی زیادہ تر بحر ہزج، رمل، سریع، خفیف، متقارب اور متدارک میں کہی جاتی ہے۔ عام طور پر مثنوی کا میدان تاریخ، داستان اور کہانی وغیرہ ہے۔ مثنوی میں تعداد اشعار کی کوئی قید نہیں ہے۔ لاکھوں بھی ہو سکتے ہیں۔ فارسی میں فردوسی کا شاہ نامہ اور مولانا روم وغیرہ کی طویل مثنویاں ہیں مگر اردو میں ایسی کوئی طویل مثنوی نہیں ملتی۔ واجد علی شاہ اختر کی مثنویوں کے بارے میں ڈاکٹر محمد عقیل فرماتے ہیں:

"اختر کی مثنویوں کی تعداد اور ان کے ناموں میں بڑا اختلاف ہے جس کی وجہ کچھ تو محض تحقیق کی کمی، نقل بلا تصدیق کی عادت اور کچھ اُن کے کلام کا نایاب ہونا ہے۔ بعض مثنویاں ایسی ہیں جو معمولی لوگوں کے پاس پہونچ کر دفن ہو گئیں اور کسی کو اُن کا نام بھی معلوم نہ ہو سکا۔"[1]

ان اختلافات کے باوجود واجد علی شاہ اختر کی ۹ مثنویاں ہیں جن کا ذکر اپنے محل پر آئے گا۔ مگر ان مثنویوں کے علاوہ انھوں نے سیکڑوں رقعے اور خطوط بطرز مثنوی منظوم کیے۔ یہاں تک مراثی بھی بطرز مثنوی نظم کیے۔ حضرت علی اصغرؑ کے حال کے ایک مرثیے کے چند اشعار بطور نمونہ پیش ہیں۔ اس مرثیے میں کل ۱۵۲ اشعار ہیں ؎

عجب غم کی آندھی نے گھیرا ہے مجھ کو — اگر رات بھی ہو سویرا ہے مجھ کو
وصی بھی نہیں رنج دنیا سے خالی — گھرے ہیں مصیبت میں سب شاہ عالی

---

[1] اردو مثنوی کا ارتقا، صد ۱۹۲۔

Marfat.com

لکھوں غم بھری آج میں اک حکایت — کہ ہے نقل باقرؑ سے ساری روایت
ادھر شاہِ دیں زخم کھائے ہوئے تھے — اور اشک آنکھوں میں ڈبڈبائے ہوئے تھے
نہ مونس نہ یاور نہ ہمراز کوئی — نہ سنتا تھا اس غل میں آواز کوئی
لگا تیر اصغرؑ کی گردن پہ یارو — قضا بولی اب گود سے تم اوتارو
وہ آغوش میں اچھلا جب تیر کھا کر — تو دیکھا شہنشاہ کو مسکرا کر
لہو ڈالا کرتے پہ جب تیر کھا کر — تو پھینکا وہ چلو میں شہ نے اٹھا کر
تو اک قطرۂ خوں زمیں پر نہ آیا — فلک نے نیا رنگ اس جا دکھایا

بس اب اخترؔ زار روک اپنا خامہ
تمامے پہ آیا ہے یہ غم کا نامہ[1]

واجد علی شاہ کا شمار اگرچہ درجہ اول کے شعراء میں نہیں ہوتا مگر جہاں تک زبان کا تعلق ہے وہ صاف اور معیاری ہے اور طرز کلام وہی ہے جو اس زمانے میں لکھنؤ کے شعراء کا عام رنگ تھا۔ جب ان کے کلام کا مقابلہ اسیرؔ، برقؔ، امانتؔ، قلقؔ، بحرؔ وغیرہ کے کلام سے کرتے ہیں تو یہ ماننا پڑتا ہے کہ ان کا کلام کسی طرح ان میں سے کسی سے کم نہیں بلکہ امانت اور بحر کے مقابلے میں ان کی فوقیت اور برتری مسلم ہے۔[2] ڈاکٹر سید محمد عقیل کا کہنا ہے:

"جہاں تک اخترؔ کی زبان کا تعلق ہے وہ صاف ضرور ہے اور معیاری بھی۔ لکھنؤ کا روزمرہ اور خاص طور سے بیگماتی زبان ان کے ہر مصرعے میں رسی بسی ہے۔ جملوں کی ساخت، لب و لہجہ، محاورات اس بات

۱؎ توشۂ آخرت ص۱۰۲۳ تا ۱۰۳۲

۲؎ لکھنؤ کا دبستان شاعری ص۴۲۱

Marfat.com

کو پایۂ ثبوت تک پہنچا دیتے ہیں اور پڑھنے والے پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس وقت محلات شاہی میں کیسی زبان عام طور پر بولی جاتی تھی[1]۔"

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کا کہنا ہے:

"اگرچہ یہ عام مقولہ کہ "کلام الملوک ملوک الکلام" ہمیشہ صحیح نہیں ہوتا لیکن یہ بھی درست نہیں کہ سلاطین اور امراء کی شاعری سرے سے قابل اعتنا نہیں، ان میں سے بعض کا کلام واقعی ان کے ہمعصر شعراء کے پایہ سے کسی طرح گرا ہوا نہیں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اکثر شعراء اپنا کلام ممدوحین کی نذر کر دیا کرتے تھے اور ان کا کلام ان کے حقیقی کمالات کا آئینہ نہیں ہے لیکن بعض اس سے مستثنیٰ بھی ہیں، چنانچہ سلاطین دہلی میں ظفر اور نوابات (شاہان) لکھنؤ میں اختر اس کی عمدہ مثال ہیں[2]۔"

مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی کا بیان ہے:

"واجد علی شاہ کا علمی مذاق نہایت ہی پاکیزہ اور اعلیٰ درجہ کا تھا اور دراصل ان میں دو ہی ذوق تھے ایک ادب و شاعری کا اور دوسرا موسیقی کا ان کے سوا اور کسی چیز کا شوق ان میں نظر نہیں آتا۔ ان کی علمی استعداد بہت بڑھی ہوئی تھی۔ عربی کے تو عالم نہ تھے مگر فارسی میں ان کا درجہ شاید ابوالفضل سے کچھ ہی کم ہوگا۔ منبر پر بیٹھنے کی عادت نہ تھی اور نہ لکھنے کی قدیم نشست کی قید کو برداشت کر سکتے تھے۔ لیٹ جاتے اور لکھنا شروع کر دیتے تو دم بھر میں دو دو چار چار بند

---

[1] اردو مثنوی کا ارتقاء ص۲۰۴۔ [2] لکھنؤ کا دبستان شاعری ص۵۹

Marfat.com

کی نثریں لکھ ڈالتے جو مشہور اور نامور نثاران فارسی کے کمال کی یاد دلاتیں۔ رفعت الدولہ اور لائق الدولہ کے ایسے صاحب کمال نثرنگار وابستۂ دامانِ دولت تھے۔ ممکن تھا کہ وہ لوگ جد و جہد اور تکلف کے بعد اُن سے اچھی نثر لکھ لیں مگر جس خوبی کے ساتھ قلم برداشتہ واجد علی شاہ لکھ دیتے میرے خیال میں کسی سے ممکن نہ تھا۔"

"یہی حالت نظم کی تھی۔ طبیعت اس قدر موزوں پائی تھی کہ شاید ایسا موزوں طبع نہ دیکھا گیا ہوگا میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا کہ اپنے دائرہ دولت سلطان خانے سے بوچے پر سوار ہو کر امام باڑہ سبطین آباد کی مجلس میں شریک ہونے کے لیے روانہ ہوئے اور جو مرثیہ و سلام وہاں پڑھیں گے انھیں راستے میں تصنیف کر رہے ہیں۔ دو کاتب ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ ایک کو مرثیے کے بند تصنیف کر کے لکھواتے ہیں اور دوسرے کو سلام کے اشعار۔ مرثیہ لکھنے والا جب تک مرثیے کا بتایا ہوا بند لکھے سلام لکھنے والے کو سلام کا شعر بتاتے ہیں اور دونوں کو اس قدر جلد جلد بتاتے جاتے ہیں کہ ایک کا بھی قلم نہیں رکنے پاتا۔ امام باڑہ دو فرلانگ بھی نہ ہوگا مگر وہاں تک پہنچتے پہنچتے پورا سلام اور مرثیے کے چھ بند لکھوا دیتے۔ دو مختلف بحروں پر ایک ساتھ طبع آزمائی کرنا جس قدر دشوار امر ہے اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو شعر کہنے کی مشکلوں سے واقف ہیں۔"[1]

خواجہ محمد عبدالروف عشرت کا کہنا ہے:

---

[1] جانِ عالم صفحہ ۶۷-۶۹-

Marfat.com

"حضرت قدر قدرت ابوالمنصور سکندر جاہ ناصر الدین قیصر زماں سلطان عالم واجد علی شاہ جان عالم علاوہ اور تمام علوم فنون کے گلشن شاعری کی بھی گلگشت کیا کرتے تھے اور اس میں بہت کچھ گلکاری کی ہے۔ نظم کے ہر صیغے میں داد سخن دی ہے۔۔۔ طرز کلام زیادہ تر میر و مرزا کے انداز شاعری سے ملتا جلتا تھا۔ شاعری میں بڑے بڑے سخن فہم شاعر پکار اٹھتے تھے:" خداوندیہ شاعری نہیں سحر ہے اعجاز ہے۔" فارسی ترکیبوں کے جملے ایک جدید شان سے جھلکتے تھے۔ اصناف سخن میں صرف قصیدے ایک ایسی چیز ہیں۔ جن کے لکھنے کی بادشاہ کو احتیاج نہ تھی۔ آخر وہ بھی ائمہ معصومین علیہم السلام کی شان میں لکھے۔۔۔ مشکل سے مشکل اور سنگلاخ زمیں آپ کے دریائے فکر کے آگے پانی تھی۔ ہر پہلو پر پیرئیات بلاغت کا خیال رہتا تھا۔ پھر تشبیہات و استعارات کی ملمع کاری نور علیٰ نور۔ ان سب باتوں سے قطع نظر کر کے تمام کلام پر اجمالی نظر ڈالی جائے تو معنوی خوبیاں اور عمدہ تخیل کے سمندر موج زن نظر آئیں گے۔"[1]

ڈاکٹر گیان چند جین واجد علی شاہ کی مثنویوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ادبی حیثیت سے محض تین داستانی مثنویاں اہم ہیں۔۔۔ افسانۂ عشق'، 'دریائے تعشق' اور 'بحر الفت'۔۔۔ انھیں کی ادبی اہمیت ہے۔۔۔۔ ان کی افسانوی مثنویوں میں پلاٹ بہت طویل اور مفصل ہے۔ تینوں داستانوں کا قصہ طبع زاد ہے۔۔۔ ان کی تینوں داستانیں صف دوم کی مثنویوں میں جگہ پانے کے مستحق ہیں۔"[2]

---

[1] آب بقا صفحہ ۱۶۰-۱۶۳۔ [2] اردو مثنوی شمالی ہند میں صفحہ ۴۸۵ تا ۴۸۶

الغرض واجد علی شاہ اختر نے شاعری کی ہر صنف میں طبع آزمائی کی۔ وہ نثر و نظم ہر دو کے مرد میدان تھے۔ وہ اُردو کے نہ صرف ایک اچھے شاعر و مصنّف ہی تھے بلکہ اردو کے بہت بڑے سرپرست بھی تھے۔ انھوں نے اپنی بادشاہت کے زمانہ میں اردو زبان کی جو خدمت اور سرپرستی فرمائی اس کا تو کہنا ہی کیا۔ مگر جب شاہی کا خاتمہ ہوگیا اور وہ غریب الوطن ہوئے تب بھی وہ اردو کی خدمت اسی انہماک سے کرتے رہے جس طرح شاہی کے زمانہ میں کرتے تھے۔ سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔ مگر مٹیا برج میں شعر و ادب کی محفلیں گرم تھیں۔ تصنیف و تالیف کا کام جاری و ساری تھا۔ بہر کیف واجد علی شاہ اختر مرتے دم تک اردو کی خدمت کرتے رہے۔

مگر صد افسوس جس طرح واجد علی شاہ کو بحیثیت بادشاہ معتوب کیا گیا اسی طرح اُردو ادب نے بھی ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ واجد علی شاہ کم از کم سو کتابوں کے مصنّف تھے۔ ریختہ کو سنوارنے میں ان کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ شاعری میں ان کا شمار صفِ اول کے شعرا میں نہیں تھا مگر صفِ دوم کے شعرا میں وہ سرفہرست ہیں۔ اُن کی بعض تصنیفات تالیفات ایسی معیاری ہیں جن کے سبب ان کی حیثیت اردو کے کسی صفِ اول کے مصنّف سے کم نہیں ہے۔ مگر مقامِ عبرت ہے کہ اتر پردیش اردو اکاڈمی کے اُس ہال میں جہاں قدیم و جدید نامور شعراء و ادباء کی تصاویر بطور یادگار آویزاں ہیں وہاں اردو کے ایک عظیم سرپرست، لکھنؤ کے ایک معروف شاعر و مصنّف اور تاریخی اہمیت کے حامل بادشاہ کی تصویر کے لیے اسی کے وطن میں چند سنٹی میٹر جگہ نہیں ہے!

واجد علی شاہ کی مثنویاں

واجد علی شاہ کی تصانیف کا ذخیرہ جس کو سلطان عالم زر و جواہر سے زیادہ عزیز رکھتے تھے، زوال سلطنت کے سبب بہت کچھ تباہ ہوگیا، دوران سفر کلکتہ

Marfat.com

بہت کچھ تلف ہوگیا۔ مٹیا برج میں انھوں نے جو تصنیف و تالیف کا کام کیا وہ زمانہ کی بے توجہی کا شکار ہوکر برباد ہوگیا۔ لیکن اس کے باوجود واجد علی شاہ کی تصنیفات و تالیفات کی تعداد اور منظومات کی مقدار اتنی زیادہ ہے کہ اس کے تفصیلی بیان کے لیے ایک جدا کتاب کی ضرورت ہے۔ یہاں بادشاہ کی صرف مثنویوں کا مختصر جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

۱۔ افسانۂ عشق: (اردو) مطبع سلطانی لکھنؤ صفحات ۱۰۱۔ یہ واجد علی شاہ کی پہلی مثنوی ہے۔ جو بادشاہ نے اپنے ایک مصاحب حسن یار خاں کی درخواست پر کہی تھی۔

۲۔ دریائے تعشق: (اردو) پہلا ایڈیشن، مطبع نامعلوم، صفحات ۲۱۵۔
دوسرا ایڈیشن مطبع سلطانی لکھنؤ صفحات ۲۳۴۔
دریائے تعشق: (اردو) مطبع نولکشور کانپور صفحات ۶۴ ۱۸۸۵ء۔

۳۔ بحر الفت: (اردو) مطبع سلطانی لکھنؤ صفحات ۳۴۵۔

۴۔ مثنوی گنّا: یہ ایک مختصر مثنوی ہے جو ۱۷ مطبوعہ صفحات پر مشتمل ہے اس مثنوی میں بادشاہ کے زمانہ ولی عہدی کا ایک قصہ گنّا طوائف کی بے وفائی اور غلام رضا مصاحب کی نمک فراموشی کا مختصر بیان ہے۔

۵۔ عشق نامہ: یہ مثنوی عشق نامہ نثر فارسی کا آزاد منظوم اردو ترجمہ ہے۔ (عشق نامہ فارسی میں بادشاہ نے اپنی زندگی کے تفصیلی حالات ایک سو بتیس ۱۳۲ داستانوں میں بیان کیے ہیں۔)

۶۔ خطاب محلات عرف بحر مختلف: (اردو) مطبع مصطفائی کلکتہ یکم ذی الحجہ ۱۲۷۷ھ۔ صفحات ۷۰۔ اس مثنوی میں بادشاہ نے اپنی بیگموں، اولادوں، بہوؤں اور دامادوں کے نام مع خطابات اور بعض کا نہایت

Marfat.com

مختصر حال بھی بیان کیا ہے۔

۷۔ ہیبتِ حیدری : (اردو) طبع اول مطبع سلطانی لکھنؤ سن نا معلوم۔ صفحات ۴۵۱ بڑی تقطیع۔ یہ مثنوی فارسی کی مشہور رزمیہ مثنوی "حملۂ حیدری" کا ملخص اردو ترجمہ ہے۔

۸۔ ثبات القلوب : (اردو) قلمی۔ یہ مثنوی محمد باقر مجلسی کی کتاب "حیات القلوب" کا منظوم ترجمہ ہے۔ اصل کتاب تین جلدوں میں ہے۔ بادشاہ نے پہلی جلد کا ترجمہ سنہ ۱۳۰۱ھ میں شروع کیا۔ ثبات القلوب اردو کی سب سے زیادہ اور بہت زیادہ ضخیم مثنوی ہے۔ یہ مثنوی اُن کی زود گوئی کا ایسا کارنامہ ہے جس کی نظیر نہیں مل سکتی[1] اس مثنوی میں بادشاہ نے جو اپنے حالات نظم کیے ہیں وہ غور طلب اور تاریخی اہمیت کے حامل ہیں:

کہ تھی بست و ہفتم صفر کی جو یار | تو یکشنبہ تھا روز گردوں وقار
سنہ ہجری اب میں کروں آشکار | کہ تھے بارہ سو بر وہ تریسٹھ شمار
دوشنبہ کی شب اور بجا تھا پہر | بجے اس پہ بھی تین کچھ مگر
وراثت سے جد و پدر کے وہیں | ہوئے ناصر الدین سعادت نشیں
ہوئے تخت شاہی پہ جلوہ نما | مبارک سلامت کی پھیلی صدا
ہوا توپوں کو چین آواز سے | صدائے طرب نکلی ہر ساز سے
یہ سکہ پڑا زر پہ مثل بہار | سر سطر لکھا جو ہوں بادقار
سکہ زد بر سیم و زر از فضل و تائید الٰہ | ظل حق واجد علی سلطان عالم بادشاہ
مگر شہ کو شادی کے بدلے الم | پئے والد اس طرح کرتے تھے غم

---

[1] سلطان عالم واجد علی شاہ ۱۸۴۷ء-۱۸۵۶ء

Marfat.com

کہ اندوہ چہرے سے تھا آشکار — دُرافشاں تھی آنکھ اور دل پرغبار
نمایاں تھا اس طرح حزن و ملال — کہ کاہیدہ ہو جس طرح سے ہلال
تغیّر تھا چشمِ گہربار میں — پروتے تھے موتی شبِ تار میں
دفورِ محبت سے اور جوش سے — دلِ شاہ کھویا ہوا ہوش سے
مسلسل رواں اشک تھے آبدار — صدف سے عیاں تھے دُرِ شاہوار
شکستہ نہ تھا آنسوؤں کا جو تار — لڑی موتیوں کی ہوئی آشکار
شتر تھے سلامی کی خاطر ہزار — مگر کم نہ تھی آنسوؤں کی قطار
سلامی کی توپیں شرر ریز تھیں — رسالوں کی کرچیں سحر خیز تھیں
نجیبوں کی تھیں وردیاں لال لال — کھڑا تھا ادب سے ہر اک ذی کمال
جمیں بلٹنیں روبرو صاف صاف — کہ جس طرح آئینہ ہو بے غلاف
رمل اور چقمقاق پتھر کلے — لگیں احکام سب تھے لیے
دو نالی سہ نالی کہیں جلوہ گر — مراتب میں ماہی کے نکلا مگر
شتر نالیں وہ ہر قدم باصفا — کہ اونٹوں پہ پھیلی تھی جن کی ضیا
وہ درباری حاضر امیر و غریب — نواچوب داروں کی صورت عجیب
کہ سلطان عالم سلامت رہیں — ادب سے تفاخر سے یا سب کہیں
صیاطِرقوا گو ہوا خوش خرام — تو سرداروں میں تھے جہل کے کلام
کوئی کہتا تھا ہے جواں سلطنت — کسی نے کہا ہے عیاں سلطنت
دھواں توپوں کا آسمان کرم — خذف کی طرح پائے دام و درم
ہوئی کم ذرا اشک افشانی جب — کیا مجتہد اور امیں کو طلب
امیں وہ جو استاد تھے اور وزیر — وہ حاضر ہوئے دونوں سوئے سریر
کہا جاؤ تجہیز و تکفین کرو — درود و دعا سے لحد کو بھرو

تو دس لاکھ سکّے پئے مقبرہ — ہوئے میر معمار کو بھی عطا
میرے شاہ کا سن تھا انیس سال — ہوا تخت آرا جو بدر کمال
شگفتہ ہوئے پھول گلشن نہال — بڑھے بوستاں میں درخت خیال
ہوا ختم استاد کا اب بیاں — قلم روک اے اختر بے زباں
چہل نو کا سن میرے والد کا تھا — اسی سن میں وہ پہونچے دارالبقا
ہوا تخت آرا میں جس دن سے یار — کیا بند و بست عیاں پر بہار
ہوا خوب فوجوں کا بھی انتظام — ہوا حکم بہر مدار المہام
کسی شہر میں فوج ساکن نہ ہو — ہر اک ماہ اس کو بدلتے رہو
امین اور دولت کو کر کے بہم — جو استاد اول تھے اے ذی کرم
وہی والد پاک کے تھے وزیر — رہے کچھ دنوں میرے بھی دستگیر
مگر چونکہ زخمی ہوئے راہ میں — ہوا حکم بس اب یہ گھر میں رہیں
ہوا ہاتھ بیکار داہنا جو تھا — نہ لکھنے کے لائق رہا اک ذرا
جو تھے خسر میرے علی نقی — وزارت انھیں کو عطا ہو گئی
رہے وہ رہی جب تلک سلطنت — مگر غافل از ملک اور بد صفت
اراذل کی صحبت میں وہ بدنہاد — بنے بوم خصلت نہ تھا کچھ سواد
نہ کچھ ملک داری کی تدبیر کی — یہاں تک کہ سب سلطنت لٹ گئی
ہیں لندن کے شہ پہ نمایاں بہت — میرے جد و آبا کے احساں بہت
ولی عہد تھا شاہ لندن کا جو — وہ ولیم چہارم تھا اے دوستو
مقید ہوا بابت قرضہ جب — میرے جد نے مانگا زر قرضہ تب
وہ مطلوبہ سکّے تو لاکھوں ہی تھے — نہیں یاد کچھ مجھ کو تفصیل سے
دیا یہ سعادت علی خاں نے زر — چھٹا قید سے جب وہ زنداں نگر

Marfat.com

عطا جانیے تو عطا ہوشمار | اگر قرضہ سمجھو تو ہے قرض یار
جو تجھے غازی الدین حیدر جری | لیا قرض ان سے بہت اے اخی
کرو ڑوں کی نوبت ہو کیا ہوشمار | تمسک ہیں جھک مارتے انے نگار
یہ آپس میں تھا عہد اے سیم بر | کہ جب تک ہے یہ دور شمس قمر
بنا دوستی کی رہے گی مدام | کریں گے نہ ہم دشمنی والسلام
تمہارا جو ہے دوست اپنا ہو دوستنے | کہ ہو مغز پر جس طرح شکل پوست
جو دشمن تمہارا ہمارا ہے وہ | ہمارا جو دشمن تمہارا ہے وہ
اگر اندرونی کہ بیرونی ہو | محبت مگر باہمی دونی ہو
کریں گے نہ ہم اس اودھ کا خیال | میرے ملکوں پر تم نہ کرنا خیال
حلف اس پہ انجیل و قرآں کی تھی | لکھوں کیا کہ یہ بات ایماں کی تھی
پئے جنگ لاہور اے ذی وقار | مددگار تجھے والد نامدار
سوار اور گھوڑے ہوئے تھے عطا | مجھے زنگیوں کا رسالہ ملا
ہوا حکم بہر مدد ہوں رواں | مگر ہو گئی فتح جنگ گراں
مجھے دادا کی توپ حصے میں آئی | در دولت خاص پر تھی لگائی
یہ تھا شعر کندہ جو اس توپ پر | سر سطر لکھا ہے اے ذی ہنر

چو اژدھا بجان و تن بسے داغ کہن دارم
حذر کن اے رقیب از من کہ آتش در دہن دارم

تھی غفلت مجھے عہد و پیمان سے | محبت تھی بالکل دل و جان سے
سمجھا تھا بس دوست ہیں یہ دلی | توجہ نہ کچھ فوج کی سمت تھی
مگر اس پہ بھی پلٹنیں دس ہزار | سوار اک ہزاری جمال و وقار
یہ بالذات تیار کی تھیں وہاں | قواعد میں ہر روز تھا جانفشاں

Marfat.com

قواعد سکھاتا تھا خود فارسی　　زباں دگر میں تو تھی عارسی
تھی اک اختری اور اک نادری　　رسالے تھے جنگی پئے ہمسری
تھا ہمراہ اک توپ خانہ قلیل　　برنجی تھیں توپیں بہ شکل جلیل
تھیں وہ گھوڑ چڑھی اردلی ہمرکاب　　خوش اسلوب خوش خو پری خوش خطاب
وہ سب ہر منٹ بعد ہوتی تھیں فیر　　نہ دیکھی تھی میرے سوا شکل غیر
سکھایا تھا تعلیم میری تھی یار　　رکھے تھے بہت تو بچی ہوشیار
میں خود چھالے اندر کے تھا دیکھتا　　مرا ہاتھ تو یوں یہ دست شفا
زمیندار اور راجگان کے سوا　　نظامت سے باہر طرق سے جدا
سوا لاکھ تھی فوج کچھ کم نہ تھی　　مگر منتشر تھی وہ باہم نہ تھی
نصاریٰ کی الفت پہ تھا اعتماد　　نہ رکھی حضوری میں ہرگز زیاد
نہ کی جنگ بر با وجوہات چند　　بیاں میں کروں اُن کو اے ارجمند
تھی اک وجہ یہ باہمی تھا قرار　　حلف اس پہ تھے باہمی آشکار
اگر جنگ کرتا تو دس سال تک　　مگر آخرش تھی شکست و ہتک
کجا پیل تن اور کجا پائے مور　　ہوں سیدھا مسلماں کہاں مکر و زور
لڑائی کا پہلا ہی فن ہے فریب　　میں سید مجھے مکر تھا کب نصیب
دوم یہ کہ بس دفعتاً آئی فوج　　نمایاں ہو جس طرح دریا کی موج
تو اس وقت جلدی بناتا میں کیا　　وزیر بد اقبال تھا خود ملا
سوم یہ کہ ہو جاتیں بیوہ زناں　　بہت کشت و خوں ہوتا اُس دم عیاں
جواب خدا دیتا کیا روز حشر　　جو یہ خون ہوتا جہاں بھر میں نشر
چہارم مصالح نہ تھا اتنا پاس　　کہ لڑتا میں اس وقت بے بیم و یاس
تھی پنجم خزانے میں بھی کچھ کمی　　ز دست شکوہ وزیر دنی

Marfat.com

ششم فوج بے مایہ و خود پسند
کہ تنخواہیں چڑھتی تھی تھیں چار چند

کبھی ہفتہ و ماہ اور سال بھر
نہ ملتا تھا رزق معین مگر

تو کیا لڑتی بے دل سپاہ غریب
یہی روز بد ہوتا آخر نصیب

تھے یہ کام کرتے وزارت مآب
بھرا اپنے گھر کو مگر بے حساب

یہ احوال غفلت جو آیا نظر
ہوئے یار دشمن اٹھایا ضرر

سنو ہفتم اب یہ مجھے تھا مراق
حواس و خرد سب تھے بالائے طاق

ولی عہد کو تھا بٹھایا بہ تخت
مگر نوکروں پہ ہوا یہ بھی سخت

یہ وجہیں تھیں جو جنگ کو ترک کر
گلا اپنا بندھوا دیا بے خطر

میرا جسم حاضر ہے ہوئے سرنگون
پئے بندگان ہو نہ پر کشت و خون

میں غافل نہ تھا حق ہے اس کا گواہ
مگر دوستی میں ہوا ہوں تباہ

رعایا مری اب تلک ہے نثار
بجان و تن و روح و ہوش و قرار

ابھی تک خدا سے ہیں امیدوار
دعائیں و ظائف ہیں لیل و نہار

مشیت خدا کی ہے اے دوستدار
یہ اسرار ہوئے گا کب آشکار

نصاریٰ نے دیکھا جو یہ بند و بست
کھٹکنے لگے سب مسیحا پرست

شروع سخن ہم سے کی چھیڑ چھاڑ
ہوا ظاہری باطنی بھی بگاڑ

کبھی حق کو کہتے تھے ناحق ہے یہ
کہا دوستی کو کہ لق لق ہے یہ

چنیں اور چنال اور چناں و چنیں
یہ ہر روز جھگڑا اٹھائے منہ جبیں

یہاں تک سلیمن نے دورا کیا
رعایا کو بھڑکایا ہر ایک جا

پھر آخوند صاحب کو لڑوا دیا
شہیدان کو فوجوں نے ان کی کیا

ہنومان گڑھ پر کیا کچھ خیال
کبھی حکم گردن زدن بے مآل

صدا ہائے لاطائل و بیقرین
میری سمت کرتے تھے یہ ہم نشین

Marfat.com

ہوئے دس برس جب ریاست کو یاں — ہوا حکم کمپنی کا یہ آشکار
کہ چھوڑو ریاست کو لیویں گے ہم — کہا میں نے حاضر کرم ہے کرم
یہاں سوچی کھولے میں آیا میں جب — کہ ہے ٹیا برج اس جگہ کا لقب
ہوا بلوہ فوجوں میں جب آشکار — نصاریٰ سے جھگڑے جو ہیں باوقار
مجھے قلعہ بندی ہوئی تب نصیب — رہا بست و شش ماہ مقید غریب
فرو جب ہوا بلوۂ مفسداں — چھٹا قید خانے سے یہ نیم جاں
ہوا ماں کا بھائی کا بھی انتقال — فرانسیس کے ملک میں تھا مال
وہیں پر ہیں مدفون ماں بیٹے آہ — فلک مجھ کو یوں کر دیا کیوں تباہ
ہے اک لاکھ سکّے کی تنخواہ یار — مگر راج پر کچھ نہیں اختیار
گئے سوئے جنت ولی عہد تین — کہ تھا ایک ان میں تو پور اجبیں
ولا ترک کر اب بیاں حال کا — شروع احادیث کر برملا
اور احوال ابواب و افضال بھی — اور اخوند صاحب کے اقوال بھی
بیاں کر کے حاصل ہو جس سے ثمر — یہ دنیا کے جھگڑے رہیں دور دور
ثبات القلوب اس کا رکھا ہے نام — خدایا ہو انجام اس کا تمام[1]

۹۔ مثنوی حزن اختر: یہ مثنوی بادشاہ کی آپ بیتی ہے۔ اس کی زبان نہایت سادہ، صاف اور برجستہ ہے۔ اس مثنوی کا شروع کا حصہ پر اثر نہیں ہے مگر اس کا آخری حصہ بہت زوردار ہے اور بادشاہ کی شاعرانہ صلاحیتوں کا مظہر ہے۔ خاص طور پر "ساقی نامہ و گفتار در آمدن عرضداشت داروغہ واجد علی داروغہ ڈیوڑھی نواب سلطان جہاں محل صاحبہ زینت السلطنۃ

---

[1] ثبات القلوب (قلمی)، بحوالہ "نظارہ" بیگم حضرت محل، نمبر ص ۴۴ تا ۴۸۔

لکھنؤ مع دیگر بعض بعض حالات و اظہار حال واقعی درزندان"، "ساقی نامۂ حال بے وفائی مطلوب السلطان نواب نخبۃ محل صاحبہ کربلائی"، "ساقی نامہ در انتظام جواہر گفتار در بے وفائی چند صاحبات محل در قید"، "گفتار درصرف زر خود بہ زندان و ساقی نامہ بالتزام سلاح"، "تعلی و جوش شاعرانہ" اور "مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات و خاتمہ" عنوانات کے بیان، زبان اور اشعار کی بندش کی تعریف نہیں ہوسکتی۔ اختر نے انگریزی اور سنسکرت کے بھی بہت سے الفاظ نہایت خوبصورت ڈھنگ سے اپنے کلام میں استعمال کیے ہیں۔

دستیاب معلومات کے مطابق مثنوی حزن اختر کے اب تک تین ایڈیشن شایع ہوئے ہیں:

پہلا ایڈیشن

یہ ایڈیشن واجد علی شاہ اختر کی حیات میں بڑی تقطیع پر مطبع سلطانی کلکتہ میں ۱۲۷۶ھ / ۱۸۶۰ء میں مہتمم مطبع محمد حسین کے اہتمام سے چھپا تھا۔ اس مثنوی کی کتابت شاہی کاتب محمد عبدالرحمن احسن کی ہے۔ نہایت خوش خط، جلی، ہر صفحہ کے حاشیہ پر نئی وضع کی چوڑی بیل اور نو سطریں ہیں۔ کل ۱۲۳۹ اشعار ہیں اور ۲۱۵ صفحات ہیں مثنوی کے آخر میں کاتب موصوف کا یہ قطعۂ تاریخ بھی ثبت ہے ؎

حضرت سلطان عالم دیں پناہ — اختر اوج و کمال برتری
حزن اختر مثنوی تصنیف کرد — واقعی خوش داد داد شاعری
الغرض مطبوع شد احسن زحکم — گفتمش تاریخ "حزن اختری" ۱۲۷۶

لیکن وہ کاتب ہی کیا جو کتابت میں غلطی نہ کرے۔ لہٰذا اس مثنوی میں دو جگہ صفحات کی ترتیب میں کاتب موصوف نے سہو سے کام لیا، صفحہ ۱۰۵ کے بجائے ۲۰۵ اور صفحہ ۱۰۸ کے بجائے ۲۰۸ چھپا ہے۔ زیر نظر مثنوی کی بنیاد یہی پہلا ایڈیشن ہے۔

Marfat.com

دوسرا ایڈیشن

سنہ ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۲ء میں دائرہ ادبیہ لکھنؤ نے شائع کیا۔ اس مثنوی میں شرر لکھنوی کا مقدمہ اور بادشاہ کی ضعیفی کی تصویر بھی شامل ہے۔ چھوٹی تقطیع، تیرہ سطریں، ۱۵۰ صفحات، مجلد۔ بعض جگہ کتابت کی غلطیاں ہیں۔

تیسرا ایڈیشن

سنہ ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۱ء میں فروغ اردو (لاہور) نے شائع کیا۔ اس ایڈیشن میں شرر لکھنوی کا وہی مقدمہ شامل ہے جو دوسرے مذکورہ ایڈیشن میں ہے۔ اس کے علاوہ اس ایڈیشن کے آخر میں واجد علی شاہ کے مٹیا برج کے حالات و واقعات بھی درج ہیں۔ یہ بھی شرر لکھنوی کے لکھے ہوئے ہیں۔ چھوٹی تقطیع۔ ۲۱ سطریں۔ ۱۶۰ صفحات۔ خراب طباعت۔ بے حد اغلاط۔

اس کے علاوہ رئیس احمد جعفری نے اپنی کتاب "واجد علی شاہ اور ان کا عہد" میں اس مثنوی کے ۱۲۳۹ اشعار میں سے تین سو منتخب اشعار ثبت کیے ہیں۔

زیر نظر مثنوی واجد علی شاہ اختر نے فورٹ ولیم کلکتہ کے قید خانہ میں تصنیف کی تھی۔ یہ منظوم داستان ادبی اور تاریخی حیثیت کی حامل ہے۔ اس میں ایک بادشاہ نے اپنی دلی کیفیت نہایت پر اثر انداز میں بیان کی ہے جسے دیکھ کر عبرت حاصل ہوتی ہے۔

واجد علی شاہ کی زندگی ایسے خالص مشرقی ماحول میں گزری تھی جہاں انسانی قدریں اور اخلاقیات کو افضلیت حاصل تھی۔ واجد علی شاہ ان تمام خوبیوں کا مجسمہ تھے جن پر انسانی قدروں کا دارومدار ہے۔ وہ ایک بہترین انسان تھے مگر ایک طرف ان کا مقابلہ ایسے سیاست دانوں سے تھا جو سیاسی طور پر کامیاب ہونے کے لیے انسانی قدروں کے پابند نہیں تھے۔ دوسری طرف مشرقی تمدن اور مغربی تمدن

Marfat.com

کا زبردست تضاد تھا۔ یہی اسباب تھے جن کی وجہ سے واجد علی شاہ کو مصائب کا شکار ہونا پڑا۔ مظلوم بادشاہ نے صبر کیا مگر شاعر کے آنسو اشعار بن کر حزن اختر کی صورت میں قرطاس پر رواں ہوئے۔ سلطنت چھن گئی، وطن چھوٹ گیا، اپنوں نے ساتھ چھوڑ دیا، وہ بیگمات جو جان چھڑکتی تھیں جان چھڑا کر رفوچکر ہوئیں۔ جو لوگ وفاداری کا دم بھرتے تھے وہ بے وفا ثابت ہوئے۔ عزیز و اقربا، جو ایک ساعت کے لیے آنکھوں سے دور نہیں ہوتے تھے اس آڑے وقت میں سب نے اپنی اپنی راہ لی۔ ملازمین جو نظر ملا کر بات نہیں کرتے تھے وہ بدکلامی پر کمربستہ ہوئے۔ بادشاہ کی زبان پر کبھی گالی نہیں آئی مگر قیدخانہ میں انھیں گالیاں تک سننا پڑیں۔ ان تمام حادثات و واقعات کو اس مثنوی میں نظم کیا گیا ہے۔ زیر نظر مثنوی بادشاہ کی ایک ایسی دردناک خود نوشت سوانح عمری ہے جس کی زبان اور انداز بیان کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔

Marfat.com

واجد علی شاہ کے شب و روز

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں عرض کیا جا چکا ہے کہ انگریزوں نے واجد علی شاہ کو بدنام کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور بادشاہ کی ایسی غلط تصویر پیش کی جس سے عام طور پر آج بھی یہ سمجھا جاتا ہے کہ واجد علی شاہ امورِ سلطنت سے بالکل بے بہرہ تھے اور انھیں سوائے لہو و لعب کے اور کوئی دوسرا کام نہ تھا۔

ہم یہاں پر مختلف تاریخی کتب کی مدد سے واجد علی شاہ کے شاہی دور کے شب و روز کی مصروفیات کا ایک خاکہ پیش کر رہے ہیں، جس سے اندازہ ہوگا کہ بادشاہ امورِ سلطنت میں کس قدر منہمک رہتے تھے۔

صبح : پانچ بجے سے نو بجے

حمام کرنا۔

نمازِ فجر[1] تلاوتِ قرآن۔

موسم کے اعتبار سے کوئی مشروب[2]۔

---

[1] تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ بادشاہ کی نماز کبھی قضا نہیں ہوئی۔ تواریخ نادر العصر میں لکھا ہے کہ "نماز پنجگانہ میں سے کوئی نماز قضا نہیں ہوئی۔ یہ حکم رہا اور اب بھی ہے کہ اگر صبح ہوتے کبھی ہم سو جائیں تو کبھی زبردستی بے خوف و خطر اور بے پاس ادب جگا دینا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوتا ہے اور کبھی نماز اور تلاوت قضا اور ترک نہیں ہوئی۔"

(تواریخ نادر العصر ص ۱۲۴)

[2] مشروب سے مراد کوئی نشہ آور چیز نہیں ہے کیونکہ بقول عبدالحلیم شرر لکھنوی بادشاہ نے افیون، شراب، فلک سیر یا کسی اور قسم کے نشے سے زندگی بھر احتراز کیا (گذشتہ لکھنؤ ص ۸۳) مشروب میں بادشاہ یخنی، حریرہ، موتیوں کا شربت یا پھلوں کا رس لیتے تھے۔

Marfat.com

قواعد کے میدان میں فوجوں کا معائنہ اور پریڈ میں شرکت[1]۔

دوپہر: نو بجے سے بارہ بجے:

ناشتہ[2]

دیوان خاص۔ دفاتر کے کام[3]

مستغیث کی عرضداشتوں پر غور و خوض[4]

دیوان خاص سے محلسرا میں واپسی۔ (بارہ بجے کے بعد)

ظہر کی نماز

محلات و دیگر قریبی رشتہ داروں کے ہمراہ کھانا کھانا۔

عصر کی نماز

آرام

آرام گاہ سے برآمد ہونا۔ (چار بجے کے بعد)

---

[1] پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب فرماتے ہیں کہ "خود بدولت نماز صبح پڑھ کے جنگی لباس پہن کے گھوڑے پر سوار ہو کے فوج کا معائنہ فرماتے اور سپاہیوں کو قواعد کرواتے تھے۔ آفتاب کی تپش اور میدان کے گرد و غبار میں تین تین چار چار گھنٹے مردانہ سرگرمیوں میں عرق ریزی کرتے تھے اور تفنگ آزمائی، نیزہ بازی، شمشیر زنی اور گولہ اندازی کی ورزشیں ملاحظہ فرماتے تھے۔ جن فوجیوں کا کام امتحان کی کسوٹی پر پورا اترتا تھا ان کو شاہانہ انعامات اور مناسب القاب و خطاب سے نوازتے تھے۔" (سلطان عالم واجد علی شاہ ص۳۶)

[2] بادشاہ ناشتہ میں عام طور پر روغنی روٹی، بالائی، حلوہ اور مربہ وغیرہ کا استعمال کرتے تھے۔ —[3] سید کمال الدین حیدر کا کہنا ہے کہ ۹ بجے نواب امین الدولہ، مہاراج مدبر الدولہ، وبیر الدولہ اور اہل دفتر خاص در دولت پر دولت خانہ قدیم میں حاضر ہوتے۔ وقت ملاحظہ کاغذ یہ ہر ایک حاضر ہوتا۔ بعد دوپہر کے جب نوبت زوال شمسی بجتی تھی

(باقی حاشیہ ص۱۰۱ پر)

Marfat.com

سہ پہر: پانچ بجے سے سات بجے:
دیوان عام۔
عمائدین سلطنت، وزراء اور امراء سے مالی و ملکی معاملات پر تبادلہ خیالات۔
جملہ اخبار و عرض و معروض خاص و عام کا پیش ہونا۔

شام: سات بجے سے آٹھ بجے:
ہوا خوری کے لیے باہر جانا۔
سواری کے ہمراہ دو نقری صندوق[1]

رات: آٹھ بجے سے ایک بجے:
مغرب و عشا کی نماز۔
لکھنا پڑھنا۔

(حاشیہ صفحۂ گزشتہ) برخاست ہوتی تھی۔ قیصر التواریخ جلد دوم صفحہ ؎)
عہد شاہی میں چھبیس دفاتر تھے۔
[۴] جو مستغیث عرضی دیتا تھا وقت ملاحظہ کاغذات پر حکم نوشیروانی مزین بدستخط خاص ہوتا تھا۔ قیصر التواریخ جلد دوم صفحہ ؎)
[1] سواری میں دو ترک سوار آگے صندوقچے لے کر چلتے تھے۔ راہ میں جو مستغیث عرضی دیتا تھا صندوقچے میں داخل کر دیتے تھے۔ اس کا نام شغلۂ نوشیروانی رکھا تھا۔ اہلکاروں کو اس سے خوف اور رعایا کو باعثِ ازدیادِ تقویت ہوتا تھا۔ فی الحقیقت بہت خوب شغلہ تھا۔"
(قیصر التواریخ جلد دوم صفحہ ؎)

Marfat.com

کھانا کھانا۔ (تقریباً دس بجے)
شعر و سخن یا ناچ رنگ کی محفلیں[1]
خواب گاہ میں جانا۔ (رات گئے)
پچاس ساٹھ بیویوں میں سے کسی ایک بیگم کے ساتھ رات گزارنا۔

عہد واجد علی شاہ کی اہم تاریخیں

۱۸۲۲ء	۳۰ جولائی۔ ثریا جاہ مرزا امجد علی خاں کے یہاں نواب تاج آرا بیگم کے بطن سے ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام مرزا واجد علی خاں رکھا گیا۔
۱۸۳۷ء	فروری۔ مرزا واجد علی خاں کی شادی نواب عالم آرا بیگم سے ہوئی۔
۱۸۳۷ء	۸ جولائی۔ مرزا واجد علی خاں کے دادا اودھ کے چوتھے بادشاہ ہوئے، باپ ولی عہد ہوئے۔
۱۸۳۸ء	مرزا واجد علی خاں کے یہاں نواب عالم آرا بیگم کے بطن سے

---

[1] بادشاہ کے مشاغل میں صرف ناچ رنگ کا پرچار کیا گیا۔
(مرتب)

Marfat.com

فرزند پیدا ہوا۔ اس مبارک موقع پر بادشاہ اودھ نے پوتے کو ناظم الدولہ فخر الملک محمد واجد علی خاں بہادر صولت جنگ کا خطاب عنایت فرمایا اور پر پوتے کو مرزا نوشیرواں قدر بہادر کے لقب سے ملقب فرمایا۔

۱۸۳۸ء مرزا واجد علی خاں کا پہلا خطاب تبدیل ہوا۔ دوسرا خطاب مرزا خورشید حشمت محمد واجد علی خاں بہادر مرحمت فرمایا گیا۔

۱۸۴۲ء ۱۶ مئی۔ ثریا جاہ مرزا امجد علی خاں اپنے والد محمد علی شاہ کی وفات کے بعد اودھ کے پانچویں بادشاہ ہوئے۔

۱۸۴۲ء مرزا خورشید حشمت محمد واجد علی خاں بہادر کو امجد علی شاہ نے اپنا ولی عہد نامزد فرمایا اور ابو المنصور سکندر جاہ سلیمان حشم صاحب عالم ولی عہد مرزا محمد واجد علی بہادر کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔

۱۸۴۷ء ۱۳ فروری۔ امجد علی شاہ کی وفات کے بعد مرزا محمد واجد علی بہادر اودھ کے چھٹے بادشاہ ہوئے۔ یہ عہد وہ تھا جب ہندوستان کی بیشتر ریاستیں ایسٹ انڈیا کمپنی (EAST INDIA COMPANY) کی حکومت میں شامل کی جا چکی تھیں۔

۱۸۴۷ء ۸ اپریل۔ وزیر سلطنت امین الدولہ پر حملہ ہوا۔ وزیر کافی زخمی ہو گئے۔

۱۸۴۷ء ۹ جولائی۔ وزیر اعظم امین الدولہ معزول ہوئے۔

Marfat.com

۱۸۴۷ء ۵ اگست۔ علی نقی خاں وزیر اعظم کے عہدے پر فائز ہوئے۔

۱۸۴۷ء ۶ نومبر۔ واجد علی شاہ اور گورنر جنرل لارڈ ہارڈنگ (LORD HENRY HARDINGE) کی ملاقات بمقام کان پور ہوئی۔

۱۸۴۷ء ۱۱ نومبر۔ لارڈ ہارڈنگ لکھنؤ آیا۔ ۱۳ نومبر کو لکھنؤ سے روانہ ہوا۔

۱۸۴۷ء ۲۳ نومبر۔ لارڈ ہارڈنگ نے واجد علی شاہ کو ایک خط لکھا جس میں انتظام سلطنت درست کرنے کے لیے دو برس کا وقت دیا گیا۔

۱۸۴۸ء ۳۰ جنوری۔ لارڈ ڈلہوزی (LORD DALHOUSIE) گورنر جنرل ہو کر ہندوستان آیا۔ اس نے آتے ہی گود لینے کی رسم کو ختم کرکے ستارہ پر قبضہ کر لیا۔

۱۸۴۸ء ۱۵ نومبر۔ لارڈ ڈلہوزی پنجاب جاتے ہوئے کان پور میں رکا مگر بادشاہ کو اپنی آمد کی اطلاع نہیں دی۔

۱۸۴۸ء ۲۹ نومبر۔ اودھ کے ریذیڈنٹ کرنل رچمنڈ کا تبادلہ ہوا۔

۱۸۴۹ء ۱۱ جنوری۔ کرنل سلیمن (COL. W.H SLEEMAN) اودھ کا ریذیڈنٹ مقرر ہو کر لکھنؤ وارد ہوا۔

۱۸۴۹ء تقریباً پورا سال واجد علی شاہ علیل رہے۔

۱۸۴۹ء ۲۰ مارچ۔ مرزا وصی علی خاں جو وزیر اعظم کے مشیر خاص اور بادشاہ کے بہی خواہ تھے۔ سلیمن ان سے ناراض ہو گیا بادشاہ سے ان کو برخواست کرنے کو کہا۔ بادشاہ ٹالتے رہے۔ مگر ریذیڈنٹ سلیمن نے مرزا وصی علی خاں کو شہر بدر

Marfat.com

کرا کے ہی دم لیا۔ بادشاہ مجبور ہو گئے۔

۱۸۴۹ء ۲۹ مارچ۔ مہاراجہ دلیپ سنگھ نے ڈلہوزی کے اعلان پر دستخط کیے۔ جس کی رو سے پنجاب کی سلطنت برطانیہ کی طرف منتقل ہو گئی۔

۱۸۴۹ء ۴ جون۔ ولی عہد مرزا جاوید علی بہادر نے دس برس کے سن میں انتقال کیا۔

۱۸۴۹ء ۲۲ جون۔ سلیمن نے علم موسیقی کے ماہرین کو کسی قسم کی مراعات دینے سے واجد علی شاہ کو روک دیا۔ بہت سے فنکاروں کو شہر بدر کرا دیا۔

۱۸۴۹ء ۲۹ نومبر۔ سلیمن بادشاہ کی مرضی و اجازت کے بغیر اودھ کے دورے پر روانہ ہوا۔

۱۸۵۰ء ۲۷ فروری۔ سلیمن اودھ کا دورہ کر کے واپس لکھنؤ آیا۔

۱۸۵۰ء ستمبر۔ کرنل سلیمن نے عہدہ سفارت شاہی، ریذیڈنسی سے موقوف کر دیا۔ اور بادشاہ کو یہ پیام بھیجا کہ ہر ماہ دو مرتبہ ریذیڈنٹ بادشاہ کے پاس جایا کرے اور دو بار بادشاہ ریذیڈنٹ کے پاس آیا کریں۔ واجد علی شاہ نے سلیمن کی اس تجویز کو قطعی طور پر نامنظور کر دیا۔

۱۸۵۱ء کرنل سلیمن کی سلطنت کے کاموں میں بے جا مداخلت کی بنا پر وزیر سلطنت علی نقی خاں سے ان بن ہو گئی۔ وزیر موصوف نے ریذیڈنسی جانا موقوف کر دیا۔

۱۸۵۱ء ۵ جون۔ بادشاہ کی شادی وزیر اعظم علی نقی خاں کی

Marfat.com

دختر نواب رونق آرا بیگم کے ساتھ ہوئی۔

۱۸۵۱ء ۲۶ دسمبر۔ بادشاہ نے ایک خط گورنر جنرل کو لکھا کہ وہ ملک کا انتظام بچشم خود دیکھ لیں۔

۱۸۵۲ء لارڈ ڈلہوزی اپنا دورہ ختم کر کے کانپور میں ٹھہرا۔ سلیمن شملہ سے اس کے ساتھ تھا مگر ان سب باتوں کی بادشاہ کو کوئی خبر نہیں کی گئی۔

۱۸۵۲ء ۲ دسمبر۔ کمپنی نے برما کے دارالحکومت پیگو کا الحاق کر لیا۔

۱۸۵۳ء ہندوستان میں پہلے پہل ریلوے (RAILWAY) کا آغاز ہوا

۱۸۵۴ء ۲۸ جنوری۔ ستارہ کی طرح ناگ پور کو بھی کمپنی کے راج میں ملا لیا گیا۔

۱۸۵۴ء ۱۳ مارچ۔ جھانسی کو بھی انگریزی راج میں ملا لیا گیا۔

۱۸۵۴ء ۵ اکتوبر۔ ریذیڈنٹ سلیمن کو طویل چھٹی پر رخصت کر دیا گیا۔

۱۸۵۴ء ۳ نومبر۔ مرزا وصی علی خاں کاکوری سے بادشاہ کے پاس واپس آ گئے۔

۱۸۵۴ء ۴ دسمبر سر جیمس اوٹرم (SIR JAMES OUTRAM) اودھ کا ریذیڈنٹ ہو کر لکھنؤ وارد ہوا۔

۱۸۵۵ء جولائی۔ اجودھیا میں ہنومان گڑھی کی مسجد کا جھگڑا شروع ہوا۔

۱۸۵۵ء کرناٹک اور تنجور راج کو کمپنی نے اپنے راج میں شامل کر لیا۔

۱۸۵۵ء ۷ نومبر۔ مولوی امیر علی شاہی فوج کے ہاتھوں مارے گئے۔

۱۸۵۵ء ۲۱ نومبر۔ لارڈ ڈلہوزی کی سفارش پر کمپنی کے کورٹ آف ڈائرکٹرس (COURT OF DIRECTORS) نے اودھ کے

Marfat.com

الحاق کی منظوری دے دی۔

۱۸۵۶ء یکم فروری۔ ریذیڈنٹ اوٹرم نے ضبطی سلطنت کی خبر وزیر سلطنت علی نقی خاں کو دی۔

۱۸۵۶ء ۷ فروری۔ سلطنت کی ضبطی کا اعلان کیا گیا۔

۱۸۵۶ء ۶ مارچ۔ لارڈ ڈلہوزی لندن روانہ ہوا۔ اس کی جگہ پر لارڈ کیننگ گورنر جنرل ہو کر آیا۔

۱۸۵۶ء ۱۲ مارچ۔ واجد علی شاہ لکھنؤ سے عازم لندن ہوئے۔

۱۸۵۶ء کانپور میں برنڈن (BRENDEN) کے بنگلہ میں واجد علی شاہ نے قیام فرمایا۔

۱۸۵۶ء ۱۶ اپریل۔ بنارس میں واجد علی شاہ مہاراجہ بنارس کے مہمان ہوئے۔

۱۸۵۶ء ۱۳ مئی۔ بادشاہ پانی کے راستے موچی کھولہ کلکتہ پہنچے۔

۱۸۵۶ء ۱۸ جون۔ بادشاہ کی والدہ ملکہ کشور، بھائی سکندر حشمت اور ولی عہد کیواں قدر وغیرہ، بادشاہ کا معاملہ برطانوی پارلمینٹ (BRITISH PARIAMENT) میں پیش کرنے کے لیے لندن روانہ ہوئے۔

۱۸۵۶ء ۱۴ اگست۔ چیف کمشنر لکھنؤ کے حکم کے بموجب شاہی کتب خانہ فرح بخش کوٹھی سے جنرل مارٹن (GEN. MARTIN) کی کوٹھی میں منتقل کیا گیا۔ لاکھوں نایاب زمانہ کتابیں تلف کر دی گئیں۔

۱۸۵۷ء ۲۱ فروری۔ ملکہ کشور کا پیرس میں انتقال ہو گیا۔

Marfat.com

۱۸۵۷ء ۸ر مارچ۔ سکندر حشمت کا لندن میں انتقال ہو گیا۔

۱۸۵۷ء ۱۵ر جون۔ واجد علی شاہ کو حراست میں لے کر قلعۂ فورٹ ولیم کلکتہ میں قید کر دیا گیا۔

۱۸۵۷ء ۳۰ جون۔ لکھنؤ میں چنہٹ کے مقام پر انقلابیوں نے انگریزوں کو شکست فاش دی۔ سر ہنری لارنس (SIR HENRY LAURENCE) میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ انقلابیوں نے ریذیڈنسی کا محاصرہ کر لیا۔

۱۸۵۷ء ۳۰ر جون۔ آدھی رات گئے قلعہ مچھی بھون کی انگریزی فوجیں ریذیڈنسی میں آگئیں۔ لفٹیننٹ ٹامس - LIEUTENANT THOMAS - نے بارود سے مچھی بھون کو اڑا دیا۔ ایسا زوردار دھماکہ ہوا کہ کمزور دلوں کی حرکت بند ہو گئی۔ بہت سی حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو گئے۔

۱۸۵۷ء یکم جولائی۔ انقلابیوں نے ریذیڈنسی کا محاصرہ سخت کر دیا۔

۱۸۵۷ء ۲ر جولائی۔ سر ہنری لارنس (SIR HENRY LAURENCE) ریذیڈنسی کے اندر انقلابیوں کے گولے سے زخمی ہوا۔

۱۸۵۷ء ۳ر جولائی۔ سر ہنری لارنس (SIR HENRY LAURANCE) زخموں کی تاب نہ لا کر چل بسا۔

۱۸۵۷ء ۵ر جولائی۔ مرزا رمضان علی برجیس قدر ابن واجد علی شاہ اودھ کے تخت پر جلوہ افروز ہوئے۔

۱۸۵۷ء ۱۹ نومبر۔ پورے اودھ پر بادشاہ برجیس قدر کی حکومت ہو گئی۔

Marfat.com

۱۸۵۸ء۔	۸ مارچ۔ انگریزوں نے دوبارہ لکھنؤ پر حملہ کیا۔ برجیس قدر کی فوجیں پسپا ہو گئیں۔ ۱۵ دن تک لکھنؤ لٹتا رہا۔ سیکڑوں عورتوں کی آبروریزی ہوئی۔
۱۸۵۸ء۔	یکم نومبر۔ ملکہ وکٹوریہ (QUEEN VICTORIA) نے ہندوستان کی حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی۔ کمپنی کا راج ختم ہوگیا۔
۱۸۵۸ء	نومبر۔ بونڈی میں برجیس قدر کی فوجوں اور انگریزوں سے ایک سخت معرکہ ہوا۔ انگریز فتح یاب ہوئے۔ اودھ کی بادشاہی کا خاتمہ ہوا۔
۱۸۵۹ء	۹ جولائی۔ واجد علی شاہ قید فرنگ سے آزاد ہوئے۔
۱۸۵۹ء	۲۱ ستمبر۔ شہزادہ کیواں قدر بے نیل مرام لندن سے واپس کلکتہ آئے۔
۱۸۶۰ء	۸ اپریل۔ واجد علی شاہ کے مکانات بمقام ٹیا برج میں آگ لگ گئی۔ تین چار کروڑ کا مال متاع خاکستر ہوگیا۔
۱۸۶۲ء	کلکتہ کے کچھ تاجروں نے سازش کر کے واجد علی شاہ پر چالیس لاکھ روپے کے فرضی قرضہ کا دعویٰ کر دیا۔
۱۸۶۲ء	برٹش سرکار نے ایکٹ نمبر ۸ (ACT NO-8) نافذ کیا۔ جس کی رو سے بادشاہ دیوانی، مال اور فوجداری کی عدالتوں کے اختیارات سے مستثنیٰ قرار دیے گئے۔
۱۸۷۹ء	۷ اپریل۔ واجد علی شاہ کی بیگم، پہلی جنگ آزادی کی مجاہدہ بیگم حضرت محل نے کاٹھمنڈو نیپال میں انتقال کیا۔

Marfat.com

۱۸۸۷ء ۲۱ ستمبر۔ واجد علی شاہ نے مٹیا برج کلکتہ میں انتقال فرمایا۔ حال ہی میں بعض قدیم دستاویزوں سے یہ نشاں دہی ہوئی ہے کہ واجد علی شاہ کو زہر دیا گیا تھا۔ برٹش سرکار کو ۱۲ لاکھ روپیہ سالانہ کی رقم واجد علی شاہ کو دینا پڑتی تھی۔ لہذا برٹش سرکار نے ۱۲ لاکھ روپیہ سالانہ کی پنشن کو بچانے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا کہ واجد علی شاہ ہی کا کام تمام کر دیا۔ اس سلسلے میں تحقیق و تفتیش جاری ہے اور بہت جلد مفصل حالات منظر عام پر آئیں گے۔

Marfat.com

مثنوی

حزنِ اختر

Marfat.com

الٰہی ہے اک اور یہ آرزو
کہ کر لکھنؤ کو پھر آباد تو
اگر شاہ اختر وہاں آئیں پھر
تو ہم سب کے اختر چمک جائیں پھر

زائر زیدپوری

یاد تو ہوگی وہ مٹیابرج کی بھی داستاں؟
اب بھی جس کی خاک سے اٹھتا ہے رہ رہ کر دھواں
تم نے قیصر باغ کو دیکھا تو ہوگا بارہا؟
آج بھی آتی ہے جس سے ہائے اختر کی صدا

جوش ملیح آبادی

تمام ہند کی تھا جان لکھنؤ اپنا — ہمارا خسرو جم جاہ جان عالم تھا
یہاں ہے قالب بیجاں کسی میں جان نہیں — فراق موت سے بدتر ہے اس مسیحا کا
مگر ہزار برس کھائے گا فلک گردش — پھر اس صفات کا ہوگا نہ آدمی پیدا
یہ مومنوں سے طبیعت میں خاکساری تھی — وہ مہر تھا کہ در بوتراب کا ذرا
مصاحبوں میں تھے سب لکھنؤ کے چیدہ لوگ — ہر ایک شہرۂ آفاق و شاعر غرّا
ہر ایک رشک ابوالفضل و فیضی و عرفی — نہ ہوگا اکبر اول کا نورتن ایسا
عجب مجمع اہل کمال تھا افسوس
ہزار حیف وہ صحبت فلک نہ دیکھ سکا

شیخ امان علی سحر لکھنوی

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

در حمد ربّ العباد

کشادہ کر اے خامہ اپنی زبان　　کر اب آب توحید سے تر بیان
خدائے زماں کار ساز جہان　　عیاں مثل گل مثل بو ہے نہاں
شب تیرہ روشن اُسی سے ہوئی　　وہ واحد ہے لازم نہیں ہے دوئی

در نعتِ سرورِ کائنات ﷺ

زبانِ قلم نعت میں لال ہے　　محمدؐ نبی خوش اقبال ہے
رسولِ خدا اشرف الانبیاء　　وہ پیغامبر ہے شہِ رہ نما
ہے اعجاز اس شہ کا شق القمر　　پڑا اس کا سکّہ مہ و مہر پر
وہ ہے خاتم الانبیا نیک نام　　علیہ الصلوٰۃ، علیہ السلام

در منقبت

سزاوارِ تاجِ نبی ہے علیؓ　　علیؓ ہے علیؓ ہے علیؓ ہے علیؓ
وہ ہے لائق تخت شاہِ جہاں　　وہ ہے مالک ملک و باغِ جناں

Marfat.com

وہ ہے وارثِ علم خیر البشر وہ ہے بادشاہ قضا و قدر
وصی نبی جانشینِ رسول یداللہ خیبر شکن خوش اصول
وہ ہے ابن عم شہ دو جہاں محمد کا داماد شیر ژیاں
محبوں کا بیشک ہے وہ دستگیر مدار الہام شہ بے نظیر
وزیر نبی شوہرِ فاطمہ حسینؑ و حسنؑ کا پدر مہ لقا
شجاع و دلیر و جری صف شکن سخی و حلیم و غنی خوش سخن
جو گیارہ وصی اس کے ہیں نیک نام ولا بھیج سب پر درود و سلام

ساقی نامہ و احوال ضعف در قید خانہ

ولا بعد حمد اور نعتِ رسولؐ پس از منقبت لکھ تو اب با اصول
پلا ساقیا وہ مے سرخ رنگ کہ ہو نشہ سے جس کے دل کو امنگ
نچوڑے تاک انگور سے وہ شراب جو سونگھے سے دے بوئے عطر و گلاب
شراب مصفا کا اک جام دے ذرا دخت رز کو یہ پیغام دے
کہ ہے طالب وصل اک بادہ خوار ہے جام محبت کا اس کو خمار
اکیلا ہے زنداں میں اک مے پرست شب و روز ہے خوفِ روزِ الست
مہینوں سے ہے طالب وصل یار نہ زنداں میں پہونچی نسیم بہار
نہ آتی ہے جاں نے نکلتا ہے دم جگر ہو گئی رنج سے چشم نم
نہ تسکیں کو ہے پرتو آفتاب تماشے کو آتا نہیں ماہتاب
ہوا بھی جو آتی ہے تو ہمگیں نہ یاور نہ مونس نہ کوئی قریں
رفیقوں نے چھوڑا اکیلا مجھے سبھوں نے کوئیں میں ڈھکیلا مجھے
خبر تک نہیں اپنے احوال کی توقع نہیں کچھ زر و مال کی
عیال اور اطفال لوٹے گئے جہاں میں مرے لال لوٹے گئے
کوئی مضطرب ہے کوئی نالہ کش کوئی پیٹتا ہے تو آتا ہے غش

Marfat.com

نفس سرد بھری سے ژالہ ہوا
بدن قیر غم کا نوالہ ہوا
جگر جل گیا گرمی رنج سے
تنفر ہوا اک قلم گنج سے
بدن تار مسطر سے مل مل گیا
کلیجہ مصیبت سے ہل ہل گیا
پلک تک نہیں نام کو آنکھ میں
نہ نیند آتی ہے شام کو آنکھ میں
نہ کھانے کا اسباب ہے کچھ نصیب
نہ پانی کا ہے ذکر لب کے قریب

در صفت کرنیل کو نیا صاحب بہادر

مگر مین الطاف صاحب سے واہ
کو نیا لقب جن کا ہے خوش کلاہ
وہ کرنیل صاحب سپہر ہنر
کہ ہیں ٹون میجر وہ عالی گہر
خدا رکھے ذات اس فلک قدر کی
بڑھے عمر و دولت بھی اس بدر کی
ہوئیں ٹٹیاں خس کی مجکو نصیب
الٰہی جلیں غم سے اس کے رقیب
ملا کرتی ہے برف بھی آٹھ سیر
یہ کیا جان جو ہووے ذرا اس میں دیر
لگیں ہیں کشادہ عجب باد کش
کہ دل جن کی جھالر پہ کرتا ہے غش
جھیا قلی رات دن کام کو
خدا رکھے کرنیل کے نام کو

صفت ضعف خود در قید خانہ

دلا کر تو اب حال اپنا بیاں
دعا اپنی صاحب کو کر ہر زماں
یہ احوال اعضا ہے جیسے کباب
نہ زلفوں میں بل ہے نہ وہ پیچ و تاب
نہ چہرے کا وہ ڈھب نہ وہ دل کا حال
ہر اک بال ہے جان و تن کو وبال
ہر اک رونگٹا مثل آرہ ہے تیز
نہ ہے جائے ماندن نہ پائے گریز
ہر انگلی کا عالم ہے جیسے قلم
دیا تار مسطر سے ہے وہ بہم
یہ آنکھوں کا عالم ہے فوارے ہیں
دماغ و جگر رنج کے مارے ہیں
جو گرمی سے یہ لب بیاسے ہوئے
تو دندان کھلیں بتاسے ہوئے

Marfat.com

کلائی کا عالم یہ ہے کم ہوئی — کہ پنجہ جو گل سے کیا خم ہوئی

وہ پنجہ جو تھا پنجۂ شاہباز — شفیعہ کے خط کی طرح ہے دراز

رگیں اُس طرح اُس پہ ظاہر ہوئیں — رگِ گل کی صورت سے باہر ہوئیں

یہ ناخن کے مضمون حاصل ہوئے — مہِ نو جو تھے بدرِ کامل ہوئے

ہوئی غم سے ڈھیلی ہر اک پور پور — نہیں ہے نوالہ اُٹھانے کا زور

جو بازو سے کہنی برابر ہوئی — ہلالِ مہِ عید گھٹ کر ہوئی

بھرے بازو تھے جو مرے گول گول — بکیں تو نہیں اب وہ کوڑی کے مول

وہ شانے جو تھے آشیانِ ہُما — نقاہت سے طوطوں کا ہے گھونسلا

وہ گردن جو تھی صاف تر نور سے — زنخداں جو تھے خوشنما حور سے

ہوئی سوکھ کر مثلِ انگشتِ نر — رہے شاخِ رنج والم پر ثمر

یہ گالوں کا عالم ہے اے خوشخصال — ہوئے بدرِ کامل سے گھٹ کر ہلال

یہ چین جبیں کا قرینہ ہوا — سلیمانی بالکل نگینہ ہوا

لویں کانوں کی دونوں مرجھا گئیں — گلِ تر کی کلیاں تھیں کمھلا گئیں

وہ سینہ جو تھا تختۂ نور سا — وہ مکھڑا جو تھا خوشنما حور سا

ہوئے اس قدر دونوں غم سے نحیف — کمیں میں ہوں جس طرح سے دو حریف

وہ زانو جو تھے رشکِ بدرِ منیر — تو وہ ہو گئے غم سے نانِ شعیر

کفِ دست و پا وہ جو شفاف تھے — جو آئینے کی شکل سے صاف تھے

وہ اس درد و غم سے ہوئے ہیں ضعیف — کہ وہ دست و پا کے نہیں ہم ردیف

ہمینوں ہوئے لگ گئے دونوں پاؤں — نہ چلنے کی صورت نہ پھرنے کا داؤں

ہوا بھی جو آتی ہے اُڑتے ہیں ہوش — کفِ غم سے بیزار ہے پائے پوش

وہ گرمی کا رُخ سامنے کی وہ دھوپ — اُڑاتی ہے ناطاقتی رنگ روپ

در صفت بیت الخلا ہائے قید خانہ

پھر اُس پر غضب چار سنڈاس ہیں — کہ مجھ دل جلے کے وہ سب پاس ہیں

Marfat.com

طپش یہ جو ہوتی ہے برسات کی
یہ گھٹس جو ہوتی ہے ہر رات کی
اُبھرتی ہے ہر عطرداں کی جو بو
کہ جس طرح مرجوں کی ہو تُند خو
سلگتا ہے اس سے دماغِ ضعیف
ہوا جاتا ہے اور بھی دل نحیف

در صفتِ حشرات الارض

وہ مچھّر وہ مچھّر غضب الاماں
ہر اک ڈنگ میں ہے جن کی زباں
اٹھا ہاتھ مچھّر ہلانے کو گر
بچھو یا وہیں پہلے ہی نیشتر
دَدوڑے بدن میں وہ خارش کا زور
وہ کھٹمل کی الفت کہ جیسے چکور

تمہید

ولا ترک کر اپنے غم کا بیاں
سُنا اپنی اول سے تو داستاں
وہ قصہ سنا جس سے دل دنگ ہو
عقیقِ یمن سے بھی خوش رنگ ہو
وہ قصہ سنا جس سے آئے تواں
مٹے رستم و سام کی داستاں
وہ قصہ سُنا جو سراسر ہو سچ
نہ اپنی طرف ہو نہ غیروں کی پچ
وہ قصہ سُنا جو گواہی رہے
فقیری میں بھی بادشاہی رہے
وہ قصہ سُنا جو بہت ٹھیک ہو
ذرا بھی نہ پھر اس میں تشکیک ہو
عجب وقت یہ داستاں ہے لکھی
کہ تھا قید میں بختِ بد مختفی
قلم نہ سیاہی نہ کاغذ دوات
کہ نایاب ہو جیسے آبِ حیات
بس اس وقتِ نوش میں لکھی داستاں
دل و جاں کا عالم یہ تھا الاماں
نہ قابو میں دل تھا نہ میرا دماغ
وہ کنجِ قفس یا کُنانے کا باغ

شروع داستان و انتزاعِ سلطنت و ہجرت

بس اب ترک تمہید کر اے جواں
سُنا ابتدا سے تو یہ داستاں
یہ واجد علی ابنِ امجد علی
سُناتا ہے اب داستاں رنج کی

Marfat.com

کہ جب دس برس سلطنت کو ہوئے / جو طالع تھے بیدار سونے لگے
ہوا حکم جنرل گورنر یہ یار / کرو سلطنت کو خلا ایک بار
جو تھے ملک میں بیٹھے سہ کروڑ / اُسی کی یہ تھی بادشاہی یہ زور
جفاکش کا شاہ اودھ نام ہے / حکومت کا آخر یہ انجام ہے
جو وہ لاٹ ڈلہوزی اُس وقت تھے / مضامیں انھوں نے یہ خط میں لکھے
رعایا بہت تم سے ناراض ہے / تمھاری ریاست ہے بدنام شے
رعایا نہ دیکھیں گے ہرگز تباہ / فقط نام کے تم رہو بادشاہ
مہینہ ہر اک ماہ اک لاکھ کا / ملے گا تمھیں کچھ نہیں شک ذرا
رزیڈنٹ جرنیل اوٹرم جو تھے / گورنر کا خط مجھ کو وہ دے گئے
ہوا گھر میں کہرام سن کر یہ بات / وہ دن دوپہر ہوگئی ساری رات
وہ لائے تھے اس طرح کی ساتھ فوج / کہ جس طرح دریا کی آتی ہے موج
یہاں جُز اطاعت نہ تھا دل میں شر / نہ تھی ایسے دن کی تو ہرگز خبر
یہ بندہ بہت اُن دنوں تھا علیل / کہا دل نے کیا سوچوں اس کی سبیل
علیؑ نقی خاں مرے تھے وزیر / وہی میرے ہر حال میں تھے مشیر
مرے دل میں آتا تھا ہر دم خیال / جو ہونا تھا وہ ہو چکا کیا ملال
کرو مہر تم راضی نامہ پہ اب / گئی سلطنت تو گئی بے سبب
مگر سارے گھر نے نہ چھوڑا مجھے / دبایا ڈرایا جھنجھوڑا مجھے
رعایا یہ سب کہتی تھی واہ واہ / کیا ہم کو اس بادشہ نے تباہ
یہ جائے جو فریاد کو خوب ہے / یہ ناحق جو راضی ہو معیوب ہے
علیؑ نقی خاں کو دہلا دیا / کہ سب آب طعنہ میں نہلا دیا
کوئی کہتا تھا ہے نمک باحرام / نہیں کرتا فریاد یہ ننگ نام
خصوصاً مرا حال تھا یہ کیا / کہ پہرہ ہر اک سمت پر تھا کھڑا
جو آجائے کوئی نہ تھی یہ مجال / مجھے زندگی ہوگئی تھی وبال

Marfat.com

کہ اب میران جی کا جہینہ رقم
کہ جس میں ہوا حکم تھا یہ علم

ولایت و ہفتم تھی اُس ماہ کی
چھٹی سلطنت جس میں مجھ شاہ کی

اکھتر تھے سن بارہ سو پر زیاد
تو میری زباں سے رکھ اب اس کو یاد

وہ دن پنجشنبہ کا تھا اے عزیز
نہ باقی رہی کچھ ریاست کی چیز

کہا دل نے آخر کروں کیا سبیل
طبیعت کا یہ حال ہے ہوں علیل

سبھوں کی بس آخر یہ ٹھہری صلاح
کہ وہ چل کے فریاد ہے یہ فلاح

بُلا کر عزیزوں کو میں نے کہا
کہ رخصت میں ہوتا ہوں حافظ خدا

رعایا سے اور تھے جو میرے عزیز
ہر اک سے کہا میں نے اے باتمیز

رہے جب تلک میرے سایہ میں سب
کرم سے کیا پرورش روز و شب

جو کچھ رنج پہونچا ہو ظاہر کرو
دل خستۂ شہ کو ماہر کرو

سبھوں نے دیے راضی نامے مجھے
کہ آخر کے تھے سب کے یہ حوصلے

یہ جرنیل اُڈرم سے میں نے کہا
میں جاؤں گا فریاد کو ہے خدا

رکھوں گا میں خود بیش ملکہ یہ تاج
انھیں کا ہے بخشا ہوا مجھکو راج

انھوں نے کہا اس میں مختار ہو
عجب کیا ہے جو لطف سرکار ہو

کہا میں نے لکھّا منگا دیجیے
کہ پروانہ مجھکو دلا دیجئے

لکھا لاٹ صاحب کو صاحب نے حال
کیا تہہ سے کھبر نہ ردّ سوال

غرض بعد دس دن کے مجھ سے کہا
کہ پروانۂ راہداری ملا

دیا جب کہ پروانہ میں نے لیا
تہیّا سفر کا مقرر کیا

گفتار در طلب منوّر الدولہ بہادر مرحوم

وہ احمد علی خاں جو تھے ذی کرم
منوّر جو دولہ سے ہووے بہم

تو ہو نام اس خوش لقب کا عیاں
کہا اُس سے میں نے کہ سن لے جواں

چلیں گے ہم اس شہر سے اب ضرور
نہ ہے کچھ ریاست نہ ہے کچھ غرور

Marfat.com

کریں چل کے لندن میں فریاد ہم / کریں پھر کے کشور کو آباد ہم
انھوں نے کہا خوب یہ بات ہے / یہ ناکارہ بندہ بھی اب ساتھ ہے
لکھے میں نے فرمان عمّال کو / کہ انگریزی میں بھیجنا مال کو
کیا میں نے سب شہر کا بندوبست / ہوا حوصلہ سب جوانوں کا پست
نہ چوروں کا ڈر تھا نہ خونی کا شور / غریبوں پہ کرتا نہ تھا کوئی زور
رجب کی غرض پانچویں جبکہ آئی / اُسی سن میں راہی ہوئے جانِ مائی
لیا ساتھ ماں کو اور اک بھائی کو / نہ کچھ کام فرمایا تو درائی کو
ولی عہد کو بھی لیا ہاتھوں ہاتھ / ہوئیں پانچ چھ بیبیاں میرے ساتھ
رجب کی ہوئیں پانچویں جبکہ یار / شب پنجشنبہ ہوئی آشکار
کیا بندے نے لکھنؤ سے سفر / لیا ساتھ تھوڑا سا کچھ ماحضر
رجب بھر رہے کانپور میں مقیم / برنڈن کے بنگلے میں باخوف و بیم
دکھائی دیا ماہ شعبان کا جب / روانہ ہوئے واں سے باصد تعب
اکہا جو آباد ہے ایک نام / رہے آٹھ دن اس میں اے خوشخرام
بنارس میں آکر رہے چودہ روز / وہ راجہ کی کوٹھی میں ہم سینہ سوز
بہت پیش آیا اطاعت کے ساتھ / اُتارا مجھے کوٹھی میں ہاتھوں ہاتھ
وہ مصروف خاطر ہوا اس قدر / فرشتہ بنا کہنے کو تھا بشر
وہاں پر دُخانی کیا اک جہاز / چڑھے اس پر جس دم ہوئے سرفراز
رہے اس پہ ہم بیس انیس دن / وہ جا شو تھے اس پر کہ جس طرح جن
دکھائی دیا جب کہ ماہ صیام / تو کلکتہ میں آئے اے نیک نام
جو گینے تو تاریخ تھی ساتویں / کہ داخل ہوئے ہم ملول و حزیں
ہر اک جا ہماری سلامی ہوئی / جو توپیں چلیں نیک نامی ہوئی
طبیعت ہوئی یہاں زیادہ علیل / نہ لندن میں جانے کی نکلی سبیل
غرض ماہِ شوال جب آگیا / یہ بندہ علالت سے گھبرا گیا

Marfat.com

جو تاریخ اس کی ہوئی چودھویں
کیا بیٹا ماں بھائی رخصت وہیں
کہ تم میری جانب سے لندن کو جاؤ
جو گذری ہے مجھ پر ملِک کو سناؤ
روانہ ہوئے تینوں لندن کو جب
اکیلا رہا میں یہاں با تعب
جو تھیں خاص بی بی مری وہ رہیں
مگر والدہ میری لندن گئیں
سکندر سے حشمت جو پیکے بہم
مرے بھائی کا نام ہووے رقم
جو تھیں ملکۂ کشورِ خوش لقب
وہ تھیں والدہ میری اے ذی نسب

گفتار در آمدن علی نقی خان و روانہ شدن احمد علی خاں

علی نقی خاں روانہ ہوئے
رواں وہ مرے سوئے خانہ ہوئے
چلے قبل احمد علی خاں کے وہ
ہوئے نوشہ چیں اس گلستاں کے وہ
یہاں لکھنؤ سے مرے پاس آئے
میں کہتا تھا آنا انھیں راس آئے
ہوئے رخصت احمد علی خاں یہاں
گئے لکھنؤ کو وہ با عزّ و شاں
ادھر والدہ بھائی راہی ہوئے
وہ لندن سے واقف کماہی ہوئے
ولی عہد بھی پہونچے لندن میں جا
ملائے پھر اُس مہ سے مجکو خدا

گفتار در شنیدن خبر بلوائے مفسداں و اظہارِ حالِ علالت خود و شفا یافتن و جشن غسلِ صحت نمودن

برس گذرا ہم کو جو اے خوش سیر
یکایک جہاں میں اڑی یہ خبر
کہ بلوائی کچھ جمع ہونے لگے
وہ لکھا مقدر کا دھونے لگے
ہوئی خوب برگشتہ انگریزی فوج
اُمنڈتی ہے جس طرح دریا کی موج
سبب اس کا ہم نے تو تھا یہ سُنا
کہ کچھ کارتوسوں پہ تھا یہ ہوا
وہ تھے گاؤ کے چرم کے کارتوس
اُسی پر ہوئی تھی یہ بانگِ خروس
کہوں کیا میں اُن روزوں تھا جو علیل
شفا کی نکلتی نہ تھی کچھ سبیل

Marfat.com

وہ صفراوی تپ مجکو تھی الاماں　　سلگتی تھی تالو کے اندر زباں
غرض بعد تبرید پائی شفا　　نہ طاقت بھی آئی تھی اے مہ لقا
شفا کا جو حمام میں نے کیا　　مہینہ وہ شوال کا تھا لکھا
مگر سن پلٹ کر بہت بہتر ہوئے　　کہ ہم تندرست اور بہتر ہوئے
ہوئیں نذر کی گھر میں تیاریاں　　لگی کھلنے خلعت کی گل کاریاں
مرے آدمی سب اکٹھا ہوئے　　محل بھی جو تھے سب وہ یکجا ہوئے
ہوا ہر طرف ناچ گانا شروع　　درخت خوشی کی جمی سب فروع
تھا قریحے نغمے محل میں تمام　　وہ بزم طرب تھی ہوئی جبکہ شام
وہ جلسہ رہا دھوم سے ثلث شب　　گھڑی چار باقی رہی رات جب
تو سو سو رہے جاکے سب گل بدن　　گیا خواب میں وہ چمن کا چمن
میں سوتا تھا غفلت کا جاگا ہوا　　مقدر ادھر مجھ سے بھاگا ہوا
یکایک یہ غل کان میں آگیا　　غضب ہوگیا ہے ستم چھا گیا

گفتار در آمدن فوج انگریزی بنا بر گرفتاری راقم مثنوی

ارے دوڑو للہ لوگو چلو　　اٹھاؤ اٹھاؤ اٹھاؤ اٹھو
اٹھا خواب سے سن کے آواز میں　　جھجک رہ گیا دیکھ انداز میں
جو دیکھا تو لہری ہے انگریزی فوج　　چلی آتی ہے جیسے دریا کی موج
کوئی کہتا ہے اب اڑادیں گے یہ　　کہ سب موچی کھولا گرادیں گے یہ
کوئی کہتا ہے اے خدائے جہاں　　مری آبرو اب تو رکھ الاماں
کہا میں نے کیا شور و غوغا یہ ہے　　یہ کون آیا ہے کیسا چرچا یہ ہے
کوئی بولا کیا کہیے اے بادشاہ　　علی نقی خاں ہوئے قید آہ
غرض غسل کی مجکو تھی احتیاج　　چلا ہاتھ سے میرا اس دم مزاج
کہا میں نے اتنا توقف ہو گر　　نہالوں الگ میں ذرا آن کر

Marfat.com

سبھوں نے کہا غسل کر لیجئے
جو کرنا ہو وہ بعد پھر کیجئے

وہیں پر کیا غسل میں نے شتاب
نہ نکلا مرے منھ سے پھر کچھ جواب

سکرتر جو تھے لاٹ کے پیشکار
وہ کہنے لگے مجھ سے اے شہریار

کر چلیے مرے ساتھ یہ حکم ہے
نہ کیجے سوا اس کے اب کوئی شے

کہا میں نے کیا وجہ فرمائیے
قصور آپ بندے کا بتلائیے

کہا حکم سرکار ہے یہ ہوا
کہ کچھ شبہ سرکار کو آگیا

جو تھا اڈمنسٹن سکرتر کا نام
میں کرنے لگا اُن سے رد کر کلام

کہ میرا تو ہرگز نہیں ہے قصور
میں جھگڑوں سے رہتا ہوں خود دور دور

مفصل تو بتلائیے اس کا حال
مجھے رنج ہے اس سخن سے کمال

کہ مجھ سے الٰہی ہوئی کیا خطا
ہوئے لاٹ صاحب جو تجھ پر خفا

انھوں نے کہا اتنا معلوم ہے
کہ غیروں کی شرکت کی کچھ دھوم ہے

میں کھانے لگا رو کے قسمیں شدید
کہ یہ افترا وہم سے ہے بعید

دوم یہ طبیعت بہت ہے علیل
سوائے خدا کون ہے اب کفیل

مرے گھر پہ ہو انتظامِ حضور
یہیں کیجیے میرا ثابت قصور

نہ مانا انھوں نے یہ میرا پیام
کہا کچھ نہیں ہے دلائل سے کام

چلیں گے جو ہمراہ فرمائیے
جنھیں ساتھ لینا ہو بتلائیے

وہاں جمع تھے میرے سارے رفیق
کہا میں نے ہیں یہ ہمارے رفیق

چلیں گے یہ سب ساتھ لکھ لیجے نام
وہ کرنے لگے اس طرح سے کلام

سوا آٹھ لوگوں کے ہووے نہ اور
انھیں ناموں میں کیجیے آپ غور

مجاہد کو دولہ سے کیجے بہم
تو ہو نام اس خوش لقب کا رقم

پھپا ہیں یہ میرے عجب ذی کرم
وہ آکر ہوئے مجھ سے اس دم بہم

دیانت سے دولہ اگر آ ملے
قلم نام خوش اس جواں کا لکھے

جواں تھا وہ بے مثل زنگی نزاد
وہ گاڑی کے پیچھے چڑھا خوش نہاد

Marfat.com

سکر تر چھپا میں وہ زنگی جواں — ہوئے ایک گاڑی میں جلوہ کناں
قلی وہ جو دروازۂ قلعہ تھا — اُتارا وہاں مجھکو با صد بکا
مَیں اترا وہاں دردو غم کے قریں — ملول و مفکر الم میں حزیں
جو کلکتہ کے قلعہ میں ہیں۔ رہا — تو ان لوگوں نے ساتھ میرا دیا
میں ہراک کے ظاہر کروں تجھ سے نام — مرے قید خانہ میں آئے جو کام

اسامی ہمراہیان کہ در زندان شریک شدہ

برائے خدمت گزاری راقم التاریخ حاضر ماندند

مجاہد ویانت سوم ذوالفقار — چہارم ہوئے فتح دولہ نثار
جو دولت کے ہیں ششم پانچویں — ہوا یہ مقرر کہ ہمرہ رہیں
چلے آئے پانچوں ضعیف و نزار — مرے ساتھ تھے قید میں بے قرار

احوال طبیب الدولہ و گریختنش از زندان

مُقدم ہو دولہ پہ لفظِ طبیب — تو ہو نام لکھنا قلم کو نصیب
مری نبض رکھتا تھا وہ ہاتھ میں — کھنیا وہ جواں کبھی مرے ساتھ میں
عجب حال ہو ہو گیا اس کا ہائے — یہ اک دن میں بولا خدا اب چھڑائے
بہت میں نے منت بھی کی اور کہا — مرے ساتھ سے ہوگا راضی خدا
برس بیس سے تجھ کو پالا ہے یار — نہ چھوڑ اب مرا ساتھ تو زینہار
نہ مانا مرا کوئی اس نے کلام — روانہ ہوا گھر کو وہ نیک نام

در ذکر کاظم علی سوار

سواروں میں تھے ایک کاظم علی — رہے وہ مرے ساتھ قلعہ میں بھی

Marfat.com

در ذکر باقر علی و محمد جان چوبداران و حیدار خاں کول بردار

وہ باقر علی اور حیدار خاں ملاؤں اگر میں محمدؐ سے جاں
تو ہو نام اک اور کا آشکار کول دار اک ان میں دو چوبدار
وہ باقر محمد تو ہیں چوبدار کول دار حیدار خاں سن لے یار

ذکر جمال الدین چپراسی

مقدم کرو دین پہ لفظِ جمال تو ہو لطف اس نام کا بھی کمال
یہ چپراسی تھا اب ہوا جاں نثار عجب ہے وہ رنگِ لیل و نہار

کیفیت حال شیخ امام علی حقہ بردار

علی سے جو پہلے ہو لفظ امام تو ہو نام اک اور اے خوش نقام
یہ ہے حقہ بردار میرا قدیم ہوا جاں نثار اب بہ لطف کریم

حال امیر بیگ خواص

کروں بیگ پر گر مقدم امیر تو اک نام خوش اور ہو دل پذیر
خواصوں میں میرے یہ ممتاز تھا جواب جاں نثاروں میں حاضر ہوا

حال ولی محمد بولدان بردار

ولیِ محمد بھی ہے اک جوان مشدد نہیں یا یہ اے مہربان
بہ مجبوری کی یا مشدد بیاں کروں اس کی خدمت کی بھی شرح یاں
اٹھاتا تھا وہ بولدان لا کلام
ہوا ساتھ دے کر بہت نیک نام

Marfat.com

حال محمدؐ شیر خاں گولہ انداز

کروں گر مؤخر محمدؐ سے شیر تو ہو نام لینے میں ہرگز نہ دیر
وہ تھا توپ خانے میں میرے جواں وہ تھا گولہ اندازوں میں خوش بیاں
ہوا میرے ہمراہ وہ بھی اسیر بنا قید خانے میں وہ دست گیر

ذکر عبد الرزاق آرام گوش ملازم نو ساکن بنگالہ

اور اک عبد الرزاق تھا بامزا وہ بنگالے ہی میں تھا نوکر ہوا
وہ تھا کان کے دیکھنے میں رہا یہاں قید خانے میں ہمرہ ہوا

ذکر کریم بخش آب کش یعنی ساقی و مخففؑ آں سقہ ملازم قدیم راقم الحروف والاشعار

بہ لطف نبی و خدائے علیم مقدم کروں بخش پر گر کریم
تو ہو نام اس کا بھی ظاہر ابھی زمانہ ہو سقے سے باہر ابھی
دیا ساتھ سقے نے تھا نیک نام کرے گا جہاں اس پہ تحسین مدام

ذکر حاجی قادر بخش کہار انگشت بردار

اور اک حاجی بھی قوم کا تھا کہار رہا ساتھ بندے کے لیل و نہار

ذکر امامی گاڑی پونچھ قدیم

مقدم کروں خان پر لفظ امام تو پھر ایک ہو نام اے نیک نام
وہ تھا گاڑی پونچھوں میں نوکر مرا مرا ساتھ اس قید میں بھی دیا

Marfat.com

ذکر میر نواب صاحب مجاہد الدولہ بہادر

بہ یمن عنایات رب قدیر
مقدم ہو نواب پر لفظ میر
تو ایک نام خوش اور ہو آشکار
یہ سررشتہ اس کا بھی بتلاؤں یار
چھپیا کا مصاحب تھا ہمرہ ہوا
یہاں آن کر ساتھ ان کا دیا

ذکر داروغہ راحت السلطان زنِ خاصہ بردار

مقدم ہو سلطان پہ راحت اگر
تو ہو نام اک زن کا اے خوش سیر
وہ کھانا پکانے کو ہمرہ ہوئی
مرے ساتھ زنداں میں بھی وہ رہی

ذکر کربلائی آب خاصہ بردار زنکہ۔

دوم ایک زن کربلائی تھا نام
رہی میرے ہمراہ وہ خوش خرام
پلاتی تھی پانی مجھے صبح و شام
رہی جب تلک تھی بہت نیک نام

ذکر زنِ پان دار

سوم بی حسینی تھی اک مہ لقا
انھوں نے بھی زنداں میں پاؤں دھرا
گلوری وہ مجھ کو کھلاتی ہے روز
بدل مجھ پہ رہتی ہے وہ سینہ سوز

ذکر محمدی خانم پوشاک دوز

محمد کہوں یا کے ہمراہ جب
تو پھر لفظ خانم ہو اے ذی نسب
دیا ساتھ اس مہ لقا نے مرا
یہ پوشاک دوزی میں ہے خوشنما
تہتر تھے سن بارہ سو پر رقم
ہوئے داخلِ قید خانہ جو ہم
قلی باب دروازہ ہے قلعہ کا
یہ بندہ وہاں آٹھ دن تک رہا

Marfat.com

جو یہاں ہیں کنگ صاحب نیک نام ہیں وہ لوسی صاحب کے قائم مقام
وہاں لاٹ صاحب نے بھجوایا خط بہت خوشنما اور بہت خوش نمط
سناؤں میں اُس خط کے مضمون کو لکھا تھا مجھے لاٹ صاحب نے جو

نقل محبت نامہ فرستادۂ لاٹ کنگ صاحب بہادر خلد اللہ ملکہ

یہ مضمون تھا اس میں سراسر لکھا محل اب نہایت ہے افسوس کا
یہ مخلص بہت اس میں مجبور ہے یہ سارے زمانے میں مشہور ہے
وہ مُفسد جو پھرتے ہیں بے انصرام وہ لیتے ہیں اُس پاک طینت کا نام
یہ کونسل کی تجویز میں آگیا کہ مسکن ہو چندے یہاں آپ کا
کریں آپ تبدیل چندے مکاں کہ ہو بند یہ بابِ فتنہ یہاں
یہاں آپ کلکتہ میں جب سے آئے نہ کچھ رنج و غم ہم سے حضرت نے لیے
معٔ نوکروں آپ مختار تھے نہ زنداں کے ہرگز سزاوار تھے
نہ آئے گا عزت میں حضرت کے فرق رہے گی چمک بات میں مثل برق
کہ ہم سے بھی اور افسروں سے ذرا کبھی آبرو میں نہ ہوگی خطا
یقین خوب اس بات کا کیجئے کہ خواہاں نہیں ہیں ہم اس امر کے
کریں بے ضرور آپ کا بندوبست بڑے حوصلے کو کریں گے یہ پست
نہ کچھ خانگی امر میں دخل ہے سوائے ضرورت نہیں اور شے
ضروری جو اسباب ہووے گا اور مہیا رہے گا نہیں فکر و غور
جو کچھ حدِ امکان میں آئے گا بحکمِ گورنر وہ مل جائے گا

جواب محبت نامہ نواب گورنر بہادر

جواب اس کا میں نے لکھا اے عزیز یہ بندہ تو ایسا نہیں بے تمیز
قسم کبریا کی بہ روحِ رسولؐ نہیں ہے مرا مفسدوں میں شمول

Marfat.com

مرا بیٹا یا بھائی بھی ہو اگر　　یہ بندہ نہ ہو اُس سے ہرگز خبر
قسم اپنے ایمان کی اے جناب　　بہ قرآں بروح رسالت مآب
میں آگاہ اس شر سے ہرگز نہیں　　یہ بہتان ہوا ہے نہیں کا کہیں
گذر جائیں گے چند دن یوں اگر　　نہ پھر جاں بری ہو گی اے خوش سیر
مجھے حکم ہو اپنے گھر میں رہوں　　جواب اطاعت جو دینا ہے دوں
جہاں میں رہوں گا ثنا خواں ہوں　　مگر قید غم میں پریشان ہوں
نہ آیا مگر میرے خط کا جواب　　نہ مجھ سے کیا پھر کسی نے خطاب

احوال تبدیل شدنِ زندان

رہے جب قلی باب میں آٹھ روز　　ہوئی آتشِ رنج و غم سینہ سوز
جو کوٹھی ہے اک قلعہ کے بیچ میں　　یہ تجویز ٹھہری وہاں پر رہیں
غرض ہم کو لائے اٹھا کر یہاں　　فلک الاماں الاماں الاماں
کوئی آنکھ ہم سے ملاتا نہیں　　پرِ جانور تک بھی آتا نہیں
ہوئے بند در قید خانے کے جب　　لکھوں کیا جو گذرا ستم اور غضب
کلیجہ مرا منھ کو آ آ گیا　　رکا دم جو سینہ میں گھبرا گیا
زن و مرد تئیس[۲۳] تھے میرے ساتھ　　انھیں لائے کوٹھی میں سب ہاتھوں ہاتھ

در صفتِ مجاہد الدولہ مرزا زین العابدین خاں بہادر شوہر ہمشیر والد بندہ

پھیا میرے نواب والا حشم　　نہایت ہیں محسن بڑی ذی کرم
یہ کہتے تھے وہ ہاتھ میں لے کے تیغ　　نہیں تم سے جاں اپنی مجھ کو دریغ
اگر حکم ہو لالہ گوں رنگ ہو　　کہا میں نے موقوف یہ ڈھنگ ہو
میں ہوں بے گنہ میری شرکت نہ ہے　　مصیبت پڑے پر بھی طاعت رہے

Marfat.com

شعر در ذکر دیانت الدولہ متدیّن الملک محمّد معتمد علی خاں بہادر امانت جنگ کمیدان پلٹن اختری

دیانت بھی اس طرح سے تھا سپر　　کہ جس طرح پروانہ ہو شمع پر

ذکر فتح الدولہ بہادر مرحوم بخشی الملک رسالہ دار رسالہ میمنہ شاہی و اُستاد بندہ

ضعیفی میں تھا فتح دولہ کا حال　　چراغ سحر کی طرح تھے نڈھال
کہا میں نے ہر چند تم ہو ضعیف　　نہ اُٹھے گا تم سے یہ بارِ عنیف
انھوں نے کہا میں تو ہوں جاں نثار　　فدا تم پہ ہم ایسے ستّر ہزار
مرے تن میں جب تک ہے جاں بادشاہ　　نہ چھوڑوں گا تم کو خدا ہے گواہ

گفتار در انتقال نمودن فتح الدولہ بہادر مرحوم در قلعہ ولیم فورڈ

صفر کے مہینے میں وہ مر گئے　　جو کہتے تھے منھ سے وہی کر گئے
وہ تھی بست و ہشتم صفر کی مبیں　　ہوئے فتح دولہ جو جنّت نشیں

گفتار در رنج خود بہ فرقت فتح الدولہ مرحوم

کلیجہ مصیبت سے ہلنے لگا　　جگر خارِ فرقت سے چھلنے لگا
ہوا قید خانہ میں غمگیں میں اور　　مصیبت کے بیڈھب نظر آئے طور
ہوئی سن چو ہتّر میں یہ واردات　　دہن سے نہ نکلی مرے ایک بات
کیا صبر میں نے کلیجے کو تھام
جو تپ نے کیا کام اُن کا تمام

Marfat.com

ذکر مہتمم الدولہ بہادر برادر خرد فتح الدولہ بہادر کمیدان جعفری پلٹن مصاحب راقم الحروف

غرض بھائی ان کے جو تھے دوسرے ۔ رہے مہتمم لفظ دولہ سے
تو ہو نام اس کا ابھی آشکار ۔ بیاں آگے جس کا کر گیا ہوں میں یاد
وہ پروانہ آسا فدا مجھ پہ تھا ۔ فدا دل سے وہ باوفا مجھ پہ تھا
یہی قول تھا جب تلک جان ہے ۔ یہ بندہ فدا شہ پہ ہر آن ہے
وہ رہتے تھے بے وسوسہ خوش عمل ۔ نہ تھا چشم وابرو پہ ذرہ بھی بل

گفتار در ذکر حال ذوالفقار الدولہ سید محمد سجاد علی خاں بہادر رسالہ دار رسالۂ میسرۂ شاہی برادر ملکۂ مہرتن افسر النسا نواب نشاط محل صاحبہ اہل خانہ راقم الحروف مصنف مثنوی ہذا

بہم لفظ دولہ سے ہو ذوالفقار ۔ تو ہو نام اک اور کا آشکار
وہ سالے ہیں میرے نہیں اس میں شک ۔ مرے ساتھ ہیں قید خانے تلک
فدا رہتے ہیں مجھ پہ پروانہ وار ۔ نہ آیا کبھی ان کے دل پر غبار
مرے نام پر ہیں فدا جان سے ۔ مجھے رکھتے ہیں وہ سوا جان سے
اسی طرح سے اور سب ہیں نثار ۔ خدا کی قسم کچھ نہیں جھوٹ یار
زن و مرد ہمراہی ہیں سب فدا ۔ بڑا حوصلہ ہے بڑا حوصلا

رخصت شدن و اجازت طلبیدن دیانت الدولہ برائے زیارت عتبات عالیات و حاصل نشدن حکم کونسل و بالآخر

Marfat.com

راقم را ناراض نمودہ از قلعہ بدر شدن

دیانت کا دل جبکہ گھبرا گیا — تو قصدِ زیارت وہیں آ گیا
بہت رو یا میں میں نے رخصت کیا — مگر حکم کو نسل نہ حاصل ہوا
اسی طرح سے تھا مرے پاس وہ — زیارت کی رکھتا تھا پر آس وہ
نکلنے پہ ایسا تھا وہ لوٹ پوٹ — لکھے دیتا تھا مال اسباب لوٹ
نہ انگریزی میں وہ ہوا پر قبول — نکالا گیا مجھ کو کر کے ملول

ذکر دیوانہ ساختن ہنہم الدولہ خود را وازیں حیلہ بدر شدن از قلعہ

سُن اُس ہنہم کا بھی اب حال تو — کہ دیوانہ وہ بن گیا نیک خو
لگا کرنے بے فائدہ مار پیٹ — بنا ہا تھا پائی سے وہ خوب ڈھیٹ
بہ مجبوری اس کو بھی رخصت کیا — رہے وہ نواب موچی کھوے میں جا

حال بدر شدنِ کربلائی از زندان

دلا حال کر ایک زن کا بیان — سُنا قید خانے میں اک داستان
تھی اک کربلائی جو اُن چار میں — وہ بد جس طرح زہر ہو مار میں
لڑا کا غضب کی غضب تند خو — لڑا کرتی تھی سب سے ہر ایک سو
خصوصاً سُناتی تھی باتیں مجھے — نہ کٹتی تھیں اس غم سے راتیں مجھے
نکالو مجھے کہتی تھی بد تمیز — نہیں زن کسی کی نہ ہوں میں عزیز
یہاں تک ستایا نکالا اُسے — بلا تھی بلا میں نے ٹالا اُسے

آمدن یک سارجن میجر منغض اغلب بہ مست

پلا ساقیا ارغوانی شراب — خجل رنگ سے جس کے ہو آفتاب

Marfat.com

پیالہ لبالب منگا دے مجھے
مئے رنج سے اب چھکا دے مجھے

تڑپ برق کی ہو گھٹا کا ہو زور
چمن میں ہو کچھ عندلیبوں کا شور

پتا پوچھتے آئیں رند یہاں
کہاں ہیں کہاں ہیں کہاں ہیں کہاں

ہر اک قید خانہ کا در مست ہو
محافظ ہر اک نشہ سے پست ہو

بنے ہر کڑی سقف کی اژدہا
ہر اک در ہو غم سے نہنگ بلا

ہر اک در ہو اژدر زمیں کوہِ غم
جمیں رنج میں تو نہ اٹھیں قدم

یہ قیدی ہوا بند جب بے گناہ
تو کی پہرے والوں نے حالت تباہ

خصوص ایک شب آنکھ میری لگی
نہ تھی نیند تھی بلکہ وہ اک غشی

کہ اک صاحب آکر زباں پر یہ لائے
خداوند کلمے نہ وہ پھر سنائے

جو کچھ جی میں آیا مجھے بک گئے
یہاں تک بکے آخرش تھک گئے

کبھی کہتے تھے یہ ہی راجہ ہے واہ
ارے مل کے اس کو کرو سب تباہ

مرے بابا اور میم مارے گئے
عزیز اس جہاں سے ہمارے گئے

کرو ایسے راجہ کی گردن حلال
بکھیڑا ہی جائے مٹے یہ وبال

یہ بندہ تو سوتا رہا صبح تک
کلیجہ گیا اس کی باتوں سے پک

کہا میں نے کرنیل صاحب سے حال
کہ یہ روند والوں سے کیجے سوال

کیا میں نے سرکار کا کیا قصور
جو یہ حال ہوتا ہے میرا حضور

وہیں لطف والطاف صاحب سے واہ
ہوئی بند اُس روز سے اس کی راہ

کہا روند آئے گی یہاں پر نہ اب
وہ تھا نشہ میں بک گیا بے سبب

پھر اس روز سے روند آتی نہیں
زباں کوئی باتیں سناتی نہیں

سُنا یہ کہ موقوف وہ ہو گیا
نصیب ایسے خوش وقت کا سو گیا

کیا اُس کے بیٹوں نے بھی یہ سوال
کہ در رفع جو کچھ کہ ہووے ملال

کہا میں نے میں کچھ نہیں جانتا
میں ہوں حکم کرنیل کو مانتا

Marfat.com

بینی شکستن باقر علی چوبدار از دندان محمد شیر خان گولہ انداز و برطرف شدن محمد شیر خاں از نوکری و بدر شدن

پلا ساقیا زعفرانی شراب
بھلا دے جو وہ رنگ روئے شباب
سناؤں عجب طرح کی داستاں
جو ہو قید خانے میں لطفِ بیاں
محمدؐ جو تھا شیر خاں نام ور
عجب طرح کا تھا وہ با شور و شر
کبھی زہر کرتا تھا اک دن میں نوش
کبھی رہتی تھی ہاتھ میں پاپوش
ہر اک سے الجھتا تھا بد بخت تھا
بہت سخت تھا وہ بہت سخت تھا
کسی کو سمجھتا نہ تھا وہ شریر
امیر اس کے آگے ہوئے تھے فقیر
یہ اک دن کا تجکو سناؤں میں حال
کہ باقر سے اُس سے ہوئی قیل وقال
ہوا پھر تو یہ شور و شر ناگہاں
ہوئی شیر کی سُرخ منھ میں زباں
سرِ نوک بینی باقر کو آہ
کیا نوک دنداں سے اُس نے تباہ
کٹی ناک باقر کی اک آن میں
حمیت نہیں ہوتی انسان میں
پکڑ پیٹے باقر نے جوتے لگائے
یہ غل قید خانے میں تھا ہائے ہائے
نکالا گیا شیرِ نازک مزاج
کیا دوسرے قید خانے میں راج
ہوا قید خانے سے جب وہ رہا
دیا میں نے بھی نوکری سے چھڑا

گفتار در جائے دیگر مقید شدن باقر علی چوبدار و گذاشتن ایں زندان بہ سبب حرکت بیجا و ذکر تشدد محافظان

پھر اک جام دے ساقی مہ لقا
مزا جی لگا ہے سناؤں ذرا
ذرا تیز کر دے میری فکر کو
پھر اس دھن میں سن مجھ سے ہر ذکر کو

Marfat.com

یہ اک دن کا ہے ذکر اے خوش مقام — لکھا میں نے کاغذ یہ کچھ گھر کا کام
وہ نواب صاحب کو میں نے دیا — کہ پوشیدہ رکھنا اسے خوب سا
میں ہر چند لکھتا نہ تھا کچھ ذرا — چھپا کے مگر حکم سے لکھ دیا
کہا یہ بھی رکھنا اسے کر کے بند — نہ ٹوٹے کہیں قید میں یہ کمند
فقط تھا زر و مال کا گھر کے حال — کہ ہو حکمِ نواب سے صرفِ مال
وہ کمبخت باقر جو تھا بدسرشت — نہ سمجھا ذرا دل میں وہ خوب و زشت
میں حیراں ہوں کس طرح سے اے خدا — مرے گھر کے آدم کو پرچہ دیا
ملا پہرے والے کو پرچہ وہ جب — یہاں آیا ہم قیدیوں پر غضب
وہ خود تو روانہ ہوا قید میں — یہاں جاں نہ باقی رہی صید میں
گماں لاٹ صاحب کو بھی یہ ہوا — یہ سمجھوں خفیہ مضمون لکھا گیا
حقیقت میں ہے یہ بجا ان کا دھیان — مقدر سے لاکن اماں الاماں
کرو کچھ نصیبوں سے ہو کچھ نصیب — بنے اژدہا رنگ و روئے حبیب
نہ ہر چند تھی اس میں کچھ اور بات — مگر ہو گئی دوپہر دن کی رات
وہ باقر بھی اس سے نکالا گیا — یہاں قید خانہ سنبھالا گیا
لگی ہونے تکلیف جب سے سوا — خدا ہی خدا ہے خدا ہی خدا

ذکرِ رہا شدن کریم بخش سقہ بہ سبب عوارض تپ دق و شرح بعضے حالات

وہ سقہ جو تھا وہ بھی راہی ہوا — مریض اس قدر تھا نکالا گیا
زن و مرد سے کم ہوئے سات لوگ — مجھے فتح دولہ کا اب بھی ہے سوگ
خدا بخشے اس کو عجب مرد تھا — فنِ شاعری میں تو وہ فرد تھا
یہ بندہ ہے شاگرد اس ماہ کا — بندھا ہے دھواں دل میں اک آہ کا

Marfat.com

مجھے ڈیڑھ سال اس بلا میں ہوا ہوا قرب دو سال اے مہ لقا
نہیں حال اندوہ گیں پوچھتا ابھی تک تو کوئی نہیں پوچھتا
وہ وقت تو آتا ہے گھر سے طعام یہ کیا جاں کرے آدمی گر کلام
کھلی دیگچی دیکھ لیتے ہیں سب تو پھر پیش بندہ وہ آتا ہے جب
جو کچھ حادثے مجھ پہ ہو ہو گئے قلم کس زباں سے سنائے اسے
جوئیں پڑ گئیں ریش بھی ہے دراز جفاؤں سے آتا نہیں چرخ باز
دلا چار و ناچار کچھ چند حال سناؤں گا جس سے ہے مجھ کو ملال
مگر قید خانے میں لندن کے خط ملا کرتے ہیں ہر طرح ہر نمط
یہاں سے بھی جاتے ہیں اکثر جواب سناؤں تو ہو جائے اس کی کتاب

ذکر انتقال نمودن عفت مآب عصمت انتساب مریم مکانی بلقیس الزمانی خاتون مفخر ملکہ کشور نواب تاج آرا بیگم صاحبہ جناب عالیہ متعالیہ ازیں دار فانی بسرائے جاودانی والدۂ مصنف مثنوی ہذا اسکنہا اللہ تعالیٰ فی فرادیس الجنان و حال انتقال برادر عزیز القدر سکندر حشمت دارا مرتبت صاحب عالم مرزا محمد جواد علی بہادر طاب ثراہ و جعل الجنۃ مثواہ و ہم خبر رحلت رافت آرا بیگم مرحومہ بنت مرزا سکندر حشمت مرحوم و مغفور برادر زادی راقم الحروف

قلم اب سیہ پوش ہو سید رنگ سیاہی کجا رنج و آفت کا رنگ

Marfat.com

کہ اب اپنے سینہ کو چاک لے قلم — بہا اشک کاغذ پہ وقتِ رقم
کہ اب روئے کاغذ کو اے دل سیاہ — پہن جامۂ سوگ با اشک و آہ
دُوپٹہ لگا اپنے منھ پر شتاب — اٹھا چہرۂ رنج سے اب نقاب
ہر اک موئے سر اپنا کر تار تار — بنا شاہدِ درد کو غم گسار
پڑی آبِ اندوہ کی دل پہ چھینٹ — لگا سر پہ اب قید خانہ کی اینٹ
کہ اک دفعتہً آیا لندن سے خط — لکھا غم کا مضمون تھا اس نمط
مقدّم رجب پر جو ہوتا ہے ماہ — ہوا اس میں یہ واقعہ آہ آہ
مری والدہ تھیں جو عفت مآب — وہ جنّت کو راہی ہوئی ہیں شتاب
وہ دن بدھ کا ایسا قیامت ہوا — کہ مجھ دل جلے پر وہ آفت ہوا
نویں تھی جو تاریخ اُس ماہ کی — قیامت بپا ہو گئی آہ کی
رجب کے مہینے میں آیا یہ خط — کہ پڑھنے سے جس کے ہو دل غلط
لکھا تھا کہ بھائی نے بھی کی قضا — دہم اس مہینے کی تھی بد بلا
شب جمعہ راہی عدم کو ہوئے — مرے ہو گئے تنگ سب حوصلے
یہ بیٹا یہ بیٹا کہ غش کر گیا — یہ سمجھا کہ میں جیتے جی مر گیا
نویں کو یہ شعبان کی آیا خط — بھتیجی کا احوال تھا اس نمط
کہ وہ رافت آرا بھتیجی جو تھی — گئی سوئے دار البقا دل جلی
لکھوں ماں کا سن میں بصد بیم و یاس — کٹے سال تھے پانچ اوپر پچاس
مرے بھائی دنیا میں تھے تیس سال — لحد کی دلھن سے ہوا اب وصال
برس دن کا سن اس بھتیجی کا تھا — جو اُس دل جلی کا جنازہ اٹھا
رہا سوئے ملکِ بقا جمگھٹا — وہ ماں بیٹے مدفون ہوئے ایک جا
ہوئے دفن دونوں بہ ملکِ فرانس — ادھر ہو گیا میرے دل کو ہراس

بیان حال و عدد سنِ مُصنّف مثنوی و اظہار حال تولد شدن

Marfat.com

پسر مصنف طال اللہ عمرہٗ از بطن حضور عالیہ ملکہ اودھ اختر محل صاحبہ

ہوئے بارہ سو پر جو ہشتر جو سن — اسی سن میں پہونچے یہ رنج و محن
مرے سن کے گذرے ہیں تینتیس سال — ابھی قید میں سہ رہا ہوں ملال
پھر اس قید خانے میں پہونچی خبر — کہ اختر محل سے ہوا ہے پسر
وہ منکوحہ دوم مری بی بی ہے — علی نقی خاں کی وہ بیٹی سے ہے
متشدد نہیں یا، علی ٹھیک ہے — نقی خاں کے ہمراہ ہے خوب شئے
بہ مجبوری یہ یا متشدد ہوئی — نہ یوں وزن اشعار میں آسکی
اودھ کی وہ ہے ملکہ نیک نام — وہ گل مثل طاؤس ہے خوش خرام
غضب کی ہے چتون غضب کی ہے چال — کہ ٹھوکر سے ہو کبک تک پائمال
گل گوش خوشبو ہیں مثل چمن — نزاکت کا پتلا ہے گل پیرہن
چمن عارض سرخ سے شرمسار — وہ جوبن ہے گلشن کی جیسے بہار
فدا لالۂ سرخ اس لال پر — نضارت تصدق ہر اک گال پر
سمنبر فدا عشوہ و ناز پر — پری کو ہے رشک اس کے انداز پر
سر زلف مہرو ہے کالے کا پھن — غضب گات ہے اور غضب ہے پھبن
دُر و لعل و گوہر ہیں، دنداں نہیں — عجب تر بھی ہے زنخداں نہیں
جو شانے کہوں قمقمے نور کے — تو الماس سے ہاتھ ہیں حور کے
کمر ہے سراب رہ کائنات — ہر اک بات ہے جس طرح ہو نبات
سر مو نہیں فرق اس بات میں — کہ بالوں سے دھوکا ہوا رات میں
چمن نسترن کا ہے رُود دہاں — دہن کب ہے شاعر کو ہے کچھ گماں
سراسر کمر پیچ در پیچ ہے — ٹٹولا بہت جب تو وہ ہیچ ہے
کشادہ جبیں اختر صبح ہے — وہ ابرو ہر اک خنجر صبح ہے
چمن روئے گلرنگ سے شرمسار — فدا خال عارض پہ مشک تتار

Marfat.com

سمن بر سمن رو ہے گلفام ہے
مہ و خور پری حور یہ نام ہے
کرن بھرناباں کی ہر گال ہے
ہر اک بھوں نہیں رستم زال ہے
جفاجو نہیں تند خو وہ نہیں
دہن اس طرح جس طرح انگبیں
سرافراز ہے سرو قد سے نہال
وہ الھڑپنے کی غضب بول چال
وہ مہ پارہ ہے شتّرہ سال کی
نرالی پھبن بانکی ہے چال کی
مگر جب سے والدہ ہوئے قید آہ
مہینوں سے زنداں میں ہوں میں تباہ
نہیں حال معلوم کیا رنگ ہے
وہ ہیرے کا ٹکڑا ہے یا سنگ ہے
اسی مہ سے طالع ہوا یہ قمر
نہیں ہم کو صورت سے اس کی خبر
کہ گورا ہے یا سانولا رنگ ہے
وہ ماں پر ہے یا باپ کا ڈھنگ ہے
چھڑائے اگر قید سے کردگار
سناؤں گا وہ حال بھی تجھ کو یار
دوم رونق آرا بھی ہے اس کا نام
کہ بعد اس کے ہے لفظ بیگم سے کام
نہیں رکھا اب تک پسر کا بھی نام
رکھا کچھ نہ رشکِ قمر کا بھی نام
خدایا ہو اقبال اس کا بلند
مصنف کے سایہ میں ہو ارجمند

حال دیگر صاحبات محل مصنّف کہ از لکھنؤ در کلکتہ ہمراہ راقم الحروف آمدہ اند و حالا جملہ در مٹیابرج ملقب بہ موچی کھولا مقیم اند و مصنف در زندان بہ قلعہ ولیم فورڈ کلکتہ و شرح بعض بعض دیگر حالات وغیرہ

ساقی نامہ

پلا ساقیا وہ مے بامزا
ٹھلا دے جو تلخی جام بلا
لبالب پیالہ ہو خوش رنگ ہو
رقیبوں کو بھی نشۂ بنگ ہو
الٹ کرنہ دوں مغبچے کا جواب
بڑھاپے میں پھر آئے میرا شباب
لچک جائے دستِ صراحی نور
بنے جام مے جام کوہِ بلور

Marfat.com

اُچٹ جائے خواب اور آرام دل / نکل آئے زنداں میں بھی کام دل
سر قلعہ ہو روئے زیبائے یار / مسلسل ہو مضمون ہر اک آبدار
اسامی ہمراہیاں کر رقم / جو لائے ہیں کلکتہ میں ساتھ ہم
زن و مرد اہلِ قلم اہلِ فوج / کہ ہو ایک چشمے کی جس طرح موج
کسی طرح تھے پانسو سے نہ کم / ملازم رفیق اور محل ذی حشم
ولی عہد کی ماں محل خاص ہیں / بہ لطف و مروّت خوش اخلاص ہیں
دوم ملکۂ ملک عالی جناب / وہ جرنیل کی والدہ خوش خطاب
محل ہیں وہ معشوق اور راز دار / وہ سب محلوں میں ہیں بہت جاں نثار
کہ تاج النسا بھی ہے اُس مہ کا نام / سلامت رہے وہ جہاں میں مدام
محل تیسرا میرا دلدار ہے / رفاقت کے بالکل سزاوار ہے
ہے محبوبۂ خاص بھی اس کا نام / پری زاد ہے خندہ رو خوش کلام
سوم اُس کا عاشق نما نام ہے / سزاوار ہے واہ کیا نام ہے
چہارم ہے اک جانِ جاں اس کا نام / وہ ہے عارضہ مند اب صبح و شام
شفا اس کو دے جلد اے کردگار / بہ صحت ملے مجھ سے وہ غمگسار
چہارم بڑی بیگم مہ لقا / بتاؤں خطاب اُس کا سن لے دلا
لگے عاشق اور لفظ سلطاں ہو بعد / تو ہو نام لکھنا قلم کو بھی سعد
سوم اس کا ممتاز عالم ہے نام / جو یہ نام ہے اس کا کیا کم ہے نام
چہارم ہے قیصر بھی بیگم کے ساتھ / لکھا نام میں نے بڑے غم کے ساتھ
نہ منکوحہ تھی وہ نہ ممنوعہ تھی / فقط دوستی سے یہاں وہ رہی
اُسے بعد چندے جو آیا خیال / گئی لکھنؤ ہم کو دے کر ملال
وہیں زادِ رہ یازدہ تھیلیاں / عدد میں تھے گیارہ ہزار اے جواں
وہ دیں اس لیے تا رہے میرے پاس / نہ ٹھہری ہوئی اس طرح کی اداس
ہمیں چھوڑ زنداں میں راہی ہوئی / گئی وہ گئی وہ گئی وہ پری

Marfat.com

وہ پنجم خجستہ محل خوش لقب
کہ تھی ساتھ وہ موچی کھولے میں اب

زیارت سے جب کربلا کے پھری
تو وہ موچی کھولے میں داخل ہوئی

زیارت سے پھر کر ہوئی تھی شریک
لکھا میں نے احوال سب ٹھیک ٹھیک

چھٹی ایک ممتوعہ کا سُن لے نام
قلم کی زباں سے سُناؤں کلام

وہ ہے جعفری بیگم مہ لقا
خوش انداز نازک ادا خوش نما

لب سُرخ برگِ گلِ گلستاں
صدف گوہرِ صاف کا ہے دہاں

وہ دنداں تبسم میں دُرِّ عدن
وہ روئے گلِ تر ہے رشکِ چمن

شگوفہ کھلا ہے لبِ لعل کا
کہوں گیسوئے مشکِ ختن بے خطا

کریں نسرِ طائر کو آنکھیں شکار
کروں نظم فردوسی رُخ پر نثار

سرِ لام ہے زلفِ زیبائے یار
ہر اک تل ہے عارض کا مشکِ تتار

صباحت پہ رُخ کی فدا یاسمن
نضارت پہ صدقے رہے نسترن

کھچیں اس طرح ابروؤں کی کماں
کہ کُشتی کو حاضر ہیں دو پہلواں

حباب لبِ نہر ہیں چھاتیاں
بہم وصل میں لہر ہیں چھاتیاں

سخن کش ہے نازک ادا ماہرو
بڑی جنگجو ہے غضب تُند خو

قیامت ستم قہر ہر بات ہے
وہ شیریں دہن زہر ہر بات ہے

عجب چلبلی ہے وہ نازک مزاج
پے فرقِ حوراں کہوں اس کو تاج

کھلنڈرا پنا ہر سخن میں عیاں
وہ اچپل ہے چنچل ہے بانکی جواں

ذرا بھی نہیں ہے متانت کا نام
زباں ایسی جیسے کھنچی ہو حسام

سخن میں درشتی زباں سخت ہے
پے عاشق نیم جاں سخت ہے

پھپھولا بنا ہے جگر ہجر میں
اُسے کچھ نہیں ہے خبر ہجر میں

وہ فرقت سے بندے کی دلشاد ہے
ادھر شاہدِ وصل برباد ہے

گلوری مفرح جو زنداں میں کی
کئی مرتبہ آکے وہ رک گئی

کبھی کہتی ہے ہاتھ میں درد ہے
غرض مکر و حیلہ میں وہ فرد ہے

Marfat.com

کبھی خوش ہے ہم سے کبھی برخلاف — کبھی گرد آئینہ ہر گاہ صاف
کبھی لکھنؤ کا وہ کرتی ہے قصد — کبھی کہتی ہے ہے جنوں کھولو فصد
کبھی کہتی ہے کربلا جاؤں گی — چھپوں گی نہ میں برملا جاؤں گی
کرائے کا وہ ڈھونڈھتی ہے مکاں — کبھی کہتی ہے مجھ کو بلواؤ یاں
ہزاروں پہ ہوتا ہے جب فیصلا — تو پھر راضی ہوتی ہے وہ باوفا
کبھی چھ ہزار اور کبھی اک ہزار — وہ لیتی ہے مجھ سے ہر اک طرح یار
عجب مخمصے میں ہوں اس زن سے میں — ڈرا قید خانے میں رہزن سے میں
ملال اس کا آتا ہے ہر دم مجھے — یہ مجھ کو نہ اس قید میں چھوڑ دے
تو الفت میں اس کی رہوں گا تباہ — گھٹے گی نہ زنداں میں الفت کی آہ
تڑپ کر غم ہجر میں جاں جائے گی — وہ پچھتائے گی سخت پچھتائے گی
حسینوں سے ہیں جو لبِ یار دور — تو دودِ الم کا ہے دل میں وفور
تڑپ برق کی نالہ و آہ ہے — تنک ابر میں چہرۂ ماہ ہے
کبھی اس کو دم بھر ہٹایا نہیں — خیال رخ و لب بھلایا نہیں
یکایک حسینوں سے فرقت ہوئی — مصیبت ہوئی مجھ پہ آفت ہوئی
الٰہی شبِ ہجر کی صبح ہو — کہوں میں کہ سینہ سے میرے لگو
تپِ فرقتِ یار زائل ہو اب — مری طرح دل اس کا مائل ہو اب
کوئی رنج زنداں میں ایسا نہیں — جو اس بے سروپا کو پہونچا نہیں
مگر درد فرقت ہے سب سے سوا — ہر اک غم دیا ہے اسی نے بھلا
یہ گرداب فرقت ہے زنداں نہیں — یہ وہ بحر ہے جس کا پایاں نہیں
یہ وہ غم ہے جس سے نہیں بچتی جاں — اسی غم سے بوڑھے ہوئے ہیں جواں
اسی غم نے پانی سا دل کر دیا — اسی غم نے کوہِ الم دھر دیا
مرا غنچۂ دل ہوا غم سے بند — چمن بن گیا داغوں سے بند بند
دلِ زار ہرگز سنبھلتا نہیں — وہ کوہِ گراں ہے کہ ٹلتا نہیں

Marfat.com

صبا بھی نہیں دیتی پیغامِ یار | کیا غم نے مجھ کو ضعیف و نزار
وہ شامِ الم ہے سحر تک نہیں | مرے ماہرو کی خبر تک نہیں
ہر اک سمت پہرا ہر اک سمت یاس | رفیق و ملازم میں خوف و ہراس
کبھی سر پہ رکھتا تھا میں کج کلاہ | اودھ کا کبھی میں بھی تھا بادشاہ
ملازم مرے تھے کبھی سو ہزار | مرے حکم میں تھے پیادہ سوار
فقط سترہ سو تھے اہلِ قلم | طبیبوں کو کر پانچ سو تو رقم
فقط پندرہ سو تو تھے چوبدار | رعایا وغیرہ کا کیا ہے شمار
کروں ساٹھ ستر محل گر شمار | تو ہو جائے پھر یک قلم آشکار
اب ان میں یہ ہیں پانچ چھ بیبیاں | جو کلکتہ میں ساتھ آئیں یہاں
ہوئے قید اس طرح ہم بے گناہ | اسیروں میں ہوں نام ہے بادشاہ
زن و مرد اٹھارہ اور اک یہ جان | شب و روز زنداں میں ہیں دل تپاں
ہر اک اپنے جینے سے بیزار ہے | ہر اک قید غم میں گرفتار ہے
بہشتی جو آتا ہے اور خاکروب | وہ پہرے کی شدت سے ہے سینہ کوب
جو جاروب دیتا ہے وہ سینہ سوز | تو گورا بھی ہمراہ آتا ہے روز
بہشتی کا یہ حال تحریر ہے | وہ جس طرح سے نقشِ تصویر ہے
کبھی روشنی والا لائے جو تیل | تو دیتا ہے گورا اسے بھی ڈھکیل
اور اک ہربرٹ صاحبِ خوش بیاں | سحر شام ہوتے ہیں جلوہ کناں
وہ میجر ہیں کرنیل کے پیش دست | وہ کرتے ہیں زنداں کا خود بند و بست
وہ گنتے ہیں خود آکے شام و سحر | جو بیمار ہوتے ہیں وہ خبر
ہے اک اور داروغہ زنداں کا | کرکالن ہے نام اس نگہباں کا
ملازم کوئی ہوتا ہے جب علیل | تو ہوتا ہے اک ڈاکٹر[1] بھی کفیل

---

[1] لفظ ڈاکٹر (DOCTOR) نظم میں پہلے پہل شاید واجد علی شاہ ہی نے استعمال کیا ہے۔

Marfat.com

جو ہوتا ہے راقم مرض کے قریب
ملازم مرا آتا ہے وہ طبیب

بیاں بیشتر کر چکا جس کا حال
کہ بھاگا تھا زنداں سے وہ ذی کمال

وہی آکے کرتا ہے میرا علاج
تو ہو جاتا ہے رُو بَرہ کچھ مزاج

وہ تکلیف ہے جس سے دل تنگ ہے
شب و روز زنداں کا بد رنگ ہے

زبس ہے یہ کوٹھی نہایت کلاں
مگر میرے کس کام کی اے جواں

ہر اک اس کا در بند ہے آہ آہ
وہ گرمی وہ گرمی کہ دل ہے تباہ

کھلے ہیں جو در تو ادھر دھوپ ہے
یہ ہے رنگ کوٹھی کا یہ روپ ہے

اس اوسط کے درجے میں دل شق ہیں ہم
نہ اوپر نہ نیچے معلّق ہیں ہم

کئی خط لکھے لاٹ کو بھی رقم
ہوئے سرفراز ایک سے بھی نہ ہم

کسی خط کا لکھا نہ ہم کو جواب
خدا جانے کس امر پر ہے عتاب

منگاؤ نوشتہ جو منشی کے ہاتھ
تو آتا ہے کرنیل صاحب کے ساتھ

ذکر شاہزادگان و شاہزادی ہائے سلطان مظلوم اعنی شاہِ اودھ راقم مثنوی ہذا کہ موسوم بہ حزن اختر است و شمار تعداد اولاد ذکور و اناث و ذکر صاحبان کہ زندہ اند و تذکرہ انان کہ وفات یافتند و ذکر سلطان شہید ولد اکبر نوشیرواں قدر مرزا محمد حیدر علی بہادر اسکنہ اللہ تعالیٰ فی فرادیس الجنان و ساقی نامہ

بدلتا ہے ساقی ہمارا مزاج
مئے تیز کی ہے ہمیں احتیاج

دہن سے لگا ساغرِ نور کو
بغل میں بٹھا دے کسی حور کو

بہ رنگِ چمن آتشِ باغ ہو
زرِ گُل کی جا درہم داغ ہو

گلِ اشرفی زر ہو گلچین کا
ہر اک سرو و گل ہو اس آئین کا

ملے طفل غنچہ کو جب گوشمال
جو طوطی ہو گلشن میں ہو جائے لال

ہر اک تاکِ انگور زریں بنے
روش پٹری ہر اک خوش آئیں بنے

جو ہو جامِ گل اور مینائے سرو
رہے باغباں کو تمنائے سرو

سرِ لالہ داغِ دل زار ہو
کفِ دست گلچیں بھی زردار ہو

شرر ریز ہو ہر ہوائے چمن
دکھا داغ سینہ بجائے چمن

گلستاں کا عالم نظر میں نہ آئے
رخِ حور بن کر بدن میں سمائے

جو خارِ چمن غم سے پامال ہوں
نہال تمنا خوشش اقبال ہوں

کھنچے خنجر گل چمن میں اگر
تو ہو جائیں برگ درختاں سپر

ثمر سے شجر کی ہے نام آوری
جو بے پھل ہیں اُن کو نہیں برتری

اثر تخم کو ہے خدا نے دیا
یہ جامہ کسی خوش قبا نے دیا

لچکتا ہے جو ہے شجر باردار
بنا بے ثمر باغ میں مثل دار

صدا عندلیبوں کی ہے باغ میں
کہ بلبل میں ہے فرق اور زاغ میں

جہاں میں جو انسان ہیں لاولد
وہ ہیں سرو آسا نہیں خال وخد

نہیں اُن پہ فصل چمن بند دل
وہ ہیں سبزہ زاروں میں تود مضمحل

جو گل بے ثمر ہے وہ بیکار ہے
نہیں جس کے اولاد وہ خار ہے

غرض مجھ کو اس ابتدا سے یہ ہے
کہ اُمید اپنے خدا سے یہ ہے

مرے نورِ چشماں سے پھر ہو وصال
تو آنکھوں میں ہو روشنی پھر کمال

ملائے خدا مجھ کو اولاد سے
چھڑائے مجھے قید بیداد سے

صبیہ پسر میرے تیرہ تھے سب
جنھیں چھوڑ کر قید میں ہوں میں اب

پسر آٹھ تھے پانچ تھیں بیٹیاں
کروں اب میں تفصیل ان کی بیاں

پسر تھا بڑا سب سے نوشیرواں
کہ وہ لکھنؤ میں رہا تھا وہاں

جو نوشیرواں سے ملے لفظ قدر
عیاں نام اُس مہ کا ہو مثل بدر

وہ بائیس کا تھا سن و سال میں
کلاں تھا پسر میرا ہر حال میں

Marfat.com

مگر حکم اللہ جو ہو گیا — وہ مجنوں صفت تھا نہیں شک ذرا
تمیز بد و نیک اس کو نہ تھی — وہ گونگا بھی بہرا بھی تھا آدمی
جو کچھ تھا وہ تھا وہ مرالعل تھا — مرض صرع کا بھی تھا بے حال تھا
کروں شرح اب لطف اللہ کی — کہ شادی بھی کی میں نے اُس ماہ کی
جو زوجہ ہے اس کی وہ ہے شہریار — بہو گر ملے اس میں ہو لطف یار
بہو بعد اور پہلے ہے شہریار — وہ تھی دل سے شوہر پہ اپنے نثار
جنوں میں بھی وہ اس کا لقمان تھا — وہ تھا اُن کی جاں جان کی جان تھا
وہ تھا لکھنؤ میں سن اے ماہ عید — اُسی لکھنؤ میں ہوا وہ شہید

ذکرِ شاہزادۂ دوم وارثِ سلطنت صاحبِ عالم ولی عہد کیواں قدر مرزا محمد حامد علی بہادر طال اللہ عمرہ و زید اقبالہ

ملے لفظ کیواں اگر قدر سے — تو ہو نام روشن سوا بدر سے
ولی عہد ہے یہ مرا نونہال — یہی وارد مصر ہے خوشخصال
برس بیس کا سن ہے اُس ماہ کا — بُرا سخت ہو اس کے بدخواہ کا
وہ ذی علم صاحب ہنر ماہ ہے — وہ لایق ہے بارتبہ و جاہ ہے
صبیہ جو ہے میری ہمشیر کی — ہوا اس سے عقد مہ و مشتری
مؤخر کرو باد شر سے بہو — تو ہو نام اُس ماہ کا ہو بہو
یہ ہے لکھنؤ میں تو لندن میں وہ — پلا کرتی تھی میرے دامن میں وہ
یہی اس کے ہے حال سے آگہی — کہ ہے لکھنؤ میں یہ رشکِ پری

یہ دونوں پسر ہیں محل خاص سے
اسی ذی حشم سے خوش اخلاص سے

Marfat.com

ذکرِ حال شاہزادہ سُوم صاحب عالم فریدوں قدر جرنیل صاحب مرزا محمد ہزبر علی بہادر طال عمرہٗ

کروں تیسرے اب پسر کا بیاں — وہ ہے شاہزادہ مرے ساتھیاں
فریدوں سے گر ضم کرو لفظ قدر — تو ہو نام اس کا عیاں رشکِ بدر
وہ ہے سترہ سال کا مہ لقا — خدا نے اسے حسنِ ذاتی دیا
علی نقی خاں جو ہیں با فلاح — کیا ان کی دختر سے اُس کا نکاح
ملاؤ بہو سے جو فغفور کو — پکارو اُسی نام سے حور کو
بہو پر مقدم ہو فغفور گر — تو ہو نام پورا سُن اے خوش سیر
یہ شہزادہ ہے ملکہ ملک سے — الٰہی جہاں میں سلامت رہے
یہ ہے موچی کھولے میں اب بھی مقیم — مری قید سے ہے یہ رنج عظیم

ذکر حال شہزادۂ چہارم موسوم بہ مرزا برجیس قدر بہادر طال عمرہٗ

جو وہ چوتھا شہزادہ ہے رشکِ بدر — اُسے لوگ کہتے ہیں برجیس قدر
وہ چودہ برس کا ہے کچھ شک نہیں — کہوں کیا کہ وہ ہے کہیں کا کہیں
ملاؤں جو حضرت سے لفظِ محل — تو نام اس کی ماں کا کھلے بر محل
جو بگڑی تھی آگے سے انگریزی فوج — اُسے لے گئی جیسے دریا کی موج
وہ مر قبضۂ مفسداں میں ہے آہ — بنایا ہے اپنا اُسے بادشاہ

ذکرِ حال شاہزادۂ پنجم مخاطب بہ خطاب مرزا قمر قدر محمد عابد علی بہادر طال عمرہٗ

قمر قدر مرزا ہے اب پانچواں — قمر پر مقدم ہے مرزا یہاں
برس سات کا سن ہے اس کا عزیز — وہ ہے لکھنؤ میں سراپا تمیز

Marfat.com

محل پر مقدم اگر فخر ہو — تو پھر نام ماں کا بھی اس کی لکھو
خبر اس کی صحت کی آئی مجھے — خدا نے خبر یہ سنائی مجھے

ذکر احوال شاہزادہ ششم مخاطب بہ خطاب مرزا آسمان جاہ بہادر طال عمرہٗ

پسر اب چھٹا آسماں جاہ ہے — وہ بن ماں کا اب میرے ہمراہ ہے
مقدم محل پر اگر رشک ہو — تو نام اس کی ماں کا قلم سے لکھو
پسر کو بھی چھوڑا روانہ ہوئی — جو بھاگی رواں سوئے خانہ ہوئی
نہ میں نے بلایا نہ پھر آئی وہ — نکل کر مرے گھر سے پچھتائی وہ
غرض ہے جو دلدار میرا محل — اُسے پالا کرتی ہے وہ خوش عمل
فدا اس پہ مادر سے ہے وہ سوا — وہ گل ہے اُسی باغباں سے اگا
برس پانچ کا اب سن و سال ہے — میں ہوں قید میں وہ خوش اقبال ہے
وہ ہے موچی کھولے کے اندر مقیم — سلامت رکھے اُس کو رب کریم

ذکر شاہزادہ ہفتم مخاطب بہ خطاب قمر احسن مرزا طال عمرہٗ

سن اب ساتویں شاہزادے کا حال — قمر اسے حسن کو ملا خوشخصال
قمر پہلے ہو بعد ازاں ہو حسن — تو بعد حسن میرزا جان من
تو ہو نام اُس مہ کا بھی جلوہ گر — سناؤں اب اس کی بھی تجھ کو خبر
کہ اک مہدی بیگم ہے میرا محل — نہ ہو اس کی عصمت میں یارب خلل
اُسی مہ سے پیدا ہوا ہے یہ ماہ — وہ ہے لکھنؤ میں خدا ہے گواہ
بہ صحت رکھے اس کو پروردگار — میں آنکھوں سے دیکھوں ولد کی بہار

برس چار کا ہے وہ مہ شک نہیں
قمر ہر مہتاب خوز مہ جبیں

Marfat.com

ذکر شاہزادہ ہشتم مشتہر بہ چھوٹے مرزا طال عمرہٗ

لکھ اب آٹھویں شاہزادے کا حال — وہ ہے چھوٹے مرزا حسین نونہال
وہ اختر محل سے ہے پیدا ہوا — وہ کلکتے میں ہے ہویدا ہوا
بیاں آگے بھی کر چکا ہوں یہ حال — بہ ترتیب لکھنے کا آیا خیال
اُسی وجہ سے پھر دوبارا لکھا — عجب نام میں نے پیارا لکھا
وہ یک سالہ ہے عمر ہووے دراز — درِ فیض خانہ بھی ہو جائے باز
رہائی ہماری ہو اس سے ملیں — کریں پیار دل سے محبت کریں
بیاں شاہزادوں کا اب ہے تمام — صبیّوں کا لکھ حال اے نیک نام

ذکر شاہزادی اول کلاں مسماۃ بہ سپہر آرا نواب کبریٰ بیگم صاحبہ طال عمرہا زوجہ برخوردار عظمۃ الدولہ بہادر

جو اِن سب میں ہے شاہزادی کلاں — وہ تنہا رہی لکھنؤ میں وہاں
سُن اب اُس کا سن بھی تو اے خوشخصال — کہ گذرے ہیں اب سن کے اٹھارہ سال
سلیماں محل والدہ خوش خرام — تو ہے عظمۃ الدولہ شوہر کا نام
سپہر آرا ہے نام اُس ماہ کا — تو ہے کبریٰ بیگم بھی وہ مہ لقا
مقدّم جو کبریٰ سے نوّاب ہو — تو پھر سارا نام اُس پری کا لکھو

ذکر شاہزادی دوم مسماۃ بہ سریر آرا نواب زینب بیگم صاحبہ

سریر آرا ہے دوسری نیک نام — جو زینب پہ نوّاب ہو خوش مقام
کرو لفظ بیگم بھی ضم اُس کے ساتھ — تو اُس نام کا لطف آجائے ہاتھ
وہ خاقان محل کی ہے دختر پری — وہ مہ پارہ ہے چار سالہ ابھی

Marfat.com

مع والدہ لکھنؤ میں رہے ہے — خبر اس کی صحت کی ہم کو ملے
خدایا سلامت رہے شہر میں — مع والدہ ہو وہ اس دہر میں

گفتار در بیانِ حالِ شاہزادی سوم جنّت مکین مسماۃ بہ تخت آرا نواب شہر بانو بیگم صاحبہ بنت نواب بیگم صاحبہ

سوم تخت آرا تھی ماہِ تمام — لکھوں شہر بانو تو ہو اس کا نام
ملے شہر بانو سے نوّاب گر — مقدّم جو نوّاب ہو اے قمر
ملے لفظ بیگم بھی پھر اس کے بعد — نکل آئے شہزادی کا نام سعد
یہ سہ سالہ تھی رشکِ بدرِ منیر — کہوں نام ماں کا سُن اے بے نظیر
وہ نوّاب بیگم سے پیدا ہوئی — عجب سعد طالع ہویدا ہوئی
وہ تھی لکھنؤ میں مع والدہ — سُنا اب گئی سوئے ملکِ بقا

ذکر شاہزادی چہارم مسماۃ بہ نگین آرا نواب رقیہ بانو بیگم صاحبہ خلد نشیں دختر نوّاب مشیدا بیگم صاحبہ

نگین آرا جو چوتھی شہزادی تھی — حقیقت میں گھر بھر کی آبادی تھی
رقیّہ ملائیں جو بانو سے ہم — لکھیں نام اس مہ کا اے ذی کرم
جو نواب پہلے تو بیگم ہے بعد — کھلا اس طرح مہر کا نام سعد
یہ مشیدا یہ خالق نے امداد کی — یہ تھی والدہ اس پریزاد کی
خدا نے یہ کی مشیدا بیگم پہ مہر — عنایت جو کی اس کو یہ حور چہر
برس تین کی یہ بھی تھی نیک ذات — ابھی منھ سے کرتی نہ تھی ایک بات
سُنا یہ عدم کو گئی رشکِ ماہ — خبر یہ ملی ہے مجھے آہ آہ

Marfat.com

ذکر شاہزادی پنجم مسماۃ بہ دیہیم آرا نواب بنت السلطان بیگم صاحبہ جنّت نشین

لکھ اب پانچویں شاہزادی کا نام — سُنا ذکر اُس کا کر اب تو کلام
جو دیہیم آرا لکھوں اے جواں — تو ہو بنت سلطان لقب پھر عیاں
پھر اوّل ہو نواب بیگم ہو بعد — لکھوں اُس کا میں نام تھا نیک و سعد
وہ سِرِ سہی تھی جو ملکہ مری — یہ دختر تھی اُس سے جو رشکِ پری
وہ تھی لکھنؤ میں ہوا انتقال — سُنا جب ہوا مجھ کو رنج و ملال
کروں سِن کی میں شرح آئے یقین — اڑھائی برس کی تھی وہ نازنین
جو نوروزی بیگم ہے اک مہ کا نام — وہ خالہ ہے اُس مہ کی ماہِ تمام
وہی پالتی تھی اُسے اے جواں — وہ موجود ہے لکھنؤ میں وہاں
ہوا والدہ کا مگر انتقال — اُسے پرورش کرتے ہیں عم و خال
ملا مجھ کو یارب تو اولاد سے — چھُڑا پھر مجھے قید بیداد سے
میں ہوں بے گنہ اس جگہ قید و بند — مجھے قلعہ میں خوب پہونچی گزند
نہ غم خوار کوئی نہ ہے راز دار — اڑے جاتے ہیں ہوش و صبر و قرار
کبھی لکھنؤ میں ہوں لندن میں گہ — کبھی موچی کھولے میں ہے جان تہ
خیال آل کا کچھ خیال عیال — غم سلطنت بے زری کا ملال
تباہی کا بربادی کا زور شور — جہاں بین ہوئیں فرطِ گریہ سے کور
عجب زلزلہ دل میں ہے رات دن — سنے ایسے انسان ہوئے قید جن

ساقی نامہ و گفتار در آمدن عرضداشت داروغہ واجد علی داروغہ ڈیوڑھی نواب سلطان جہاں محل صاحبہ از بیت السلطنۃ

Marfat.com

لکھنؤ مع دیگر بعض حالات و اظہارِ حال واقعی در زنداں

بڑھے کا اب نشہ میں کر شکار
شرابِ مُصفّا ہو آب بحار

ذرا خوابِ غفلت سے اب آنکھیں کھول
ارے بے زباں اپنے منھ سے تو بول

ہلا ہونٹھ مستی میں ساقی ضرور
نہ کر مے پرستوں سے اتنا غرور

چھِک بلبلِ خامہ کاغذ پہ تو
کر اب سوزنِ حُسن سے دل رفو

مٹا قیس و فرہاد کی داستاں
سُنا بلبلِ لکھنؤ خوش بیاں

بڑھے نل دمن اور شیریں کا داغ
لگے لیلیِ عشق کا پھر سُراغ

بُھلا دل سے یوسف زلیخا کا حال
کر اب چاہ میں گرگِ غم پائمال

مٹے دل سے عذرا کے وامق کا درد
رہے رنگ عاشق محبّت میں زرد

سلیمان و بلقیس کا ہو وصال
رہے مدح خواں ہر زبان لال لال

اٹھا دامنِ ہجر مل وصل سے
نہ آسیب پہونچے کسی فصل سے

نہ بل ابروؤں میں نہ چینِ جبیں
پئے قتلِ مضموں چڑھا آستیں

اُلٹ دے بساطِ مے لالہ گوں
کہیں بے خودی میں نہ ہووے جنوں

بیاں کر کچھ احوال باصدق و راست
خدایا ہمہ علم عالم ترا ست

مگر مجھ پہ گذرا جو کچھ وہ سنو
جو بے ربط ہووے تو اصلاح ہو

ہوں اک کم سخن شاعرِ خاکسار
کسی پر نہیں فوق تک زینہار

ترابِ رہِ شاعرانِ جہاں
یہ سلطانِ عالم فقیرِ زماں

بد و نیک جاری زباں پر ہوا
توقع یہ ہے مجھ کو بخشے خدا

مگر یاد وہ کوئی نہیں میرا کام
بھرا استعاروں سے ہے یہ کلام

بنے رنگ کچھ کچھ جو دبی ہے بہار
وہ ہے داخلِ شاعری اے نگار

سو اس کے مطلب ہی سے کام ہے
اگر جھوٹ ہو تو بد انجام ہے

کر اب مختصر عذر بس ہو چکا
اسی پردہ پردہ میں تو رو چکا

Marfat.com

یہ اک دن کا ہے ذکر سُن رکھ ذرا — کہ کرنیل صاحب نے اک خط دیا
وہ تھا لکھنؤ کا لکھا خوش نمط — ہوا اُس کے دیکھنے سے کچھ غم غلط
وہ تھا بند اُس پر لفافہ تھا بند — نہ پہونچی تھی کھلنے سے اس پر گزند
مرا ایک ہمنام داروغہ تھا — وطن سے یہ خط اُس نے مجھ کو لکھا
جو واجد علی کی پڑھی عرضداشت — وہ حاصل ہوئی تھی مجھے وقت چاشت

مضمون عرضداشت واجد علی

یہ مضموں تھا سلطاں سلامت رہے — جہاں میں یہ شہ با کرامت رہے
ہوا جب سے انگریزی یاں بندوبست — ہوئے حوصلے مفسدوں کے بھی پست
بجائے جو بابا بیہاں اور میم — سلامت رہے کچھ بہر طور میم
تو کی صاحباں نے بہت میری قدر — بجائے جو بابا بہت رشک بدر
کیا مجھ کو دربان محلات کا — ہوا حوصلہ مجھ کو ہر بات کا
محل خُرد ہے اور جو سلطان محل — انھوں نے کیا ہے یہ خیر العمل
کمشنر جو ہیں حیف اس شہر کے — جو حاکم تھے اس وقت اس دہر کے
بلا ان کی بی بی کو بچوں کو آپ — چھپا کر کیا خوب اُن سے ملاپ
جو باقی محل ہیں تو یہ نام سے — کروں عرض تفصیل سے کام ہے
محل خرد اول ہیں عالی جناب — بچایا انھوں نے وہ ہیں خوش خطاب
محل دوسرا ہے جو سلطاں جہاں — بچایا انھوں نے انھیں بیگماں
سوم ہیں شہنشہ محل ذی کرم — رہیں لکھنؤ میں یہ عالی ہمم
چہارم وہ ہیں جو محل ہیں امیر — سلامت رکھے ان کو ربّ قدیر
مع شاہزادہ قمر قدر بھی — محل خرد جو تھی وہ باقی رہی
ششم وہ محل جینز جو نام ہے — بہ صحت یہاں وہ گُل اندام ہے
محل ساتواں وہ جو امراؤ تھا — وہ با خیر و خوبی یہاں پہ رہا

Marfat.com

محل سیّدہ آٹھواں اور تھا
وہ اِن ساتوں محلوں میں یکجا رہا

گنا میں نے یہ آٹھ ہیں سب محل
نہیں اُن کی عصمت میں ہرگز خلل

اماں جان کی بھی ملی ہے انھیں
ہوا حکم ہے یہ یہاں پر رہیں

ہر اک شاہزادی ہے دردر تباہ
نہ ہے تن پہ کپڑا نہ کھانا ہے آہ

وہ پھرتی ہیں دردر ہر اک شہر میں
وہ بہ بہ گئیں فوج کی لہر میں

کمشنر کو یاں کے لکھیں آپ خط
تو میں جمع کر دوں گا سب ہر نمط

یہ ذمہ مرا ہے کہ ہوں جمع سب
کہ پھرتی ہیں فاقہ سے وہ ہے غضب

لکھیں آپ ہیں سب محل بے گناہ
یہ ناحق ہوئے اس کشش میں تباہ

مقرر ہوں فی اسم مبلغ پچاس
سہارا ہو ہووے نہ ان کو ہراس

اور ان آٹھ محلوں کا اے شاہ لوٹ
یقیں ہے کھلے میں کروں گا ریوٹ

گر کل کے دن ان کا اسباب سب
گیا کوتوالی میں ہے بے سبب

مگر مہر میری ہے اس پر لگی
کہا صاحباں نے ملے گا ابھی

یقیں ہے کہ پھر آئے اسباب بھی
تو تسکیں میں ہو جان بیتاب بھی

یہاں کے جو صاحب ہیں سب ہیں رحیم
کرے سب کو آباد ربِّ کریم

جو مضمون معروضہ دیکھا تمام
کیا میں نے کرنیل سے یہ کلام

کہ میں نامہ لکھوں گا اب لاٹ کو
انھوں نے کہا خوب بہتر جو ہو

بہت عرض پھر میں نے اس میں بھی کی
عریضے کی بھی نقل شقّی ہوئی

وہ بھیجا گیا لاٹ صاحب کے پاس
خدایا یہ خط بھیجنا آئے راس

کیا میں نے مضموں یہ سب اسمیں بند
ہوئی آہ دل اُس پہ مثلِ سپند

وطن سے برس دن کے بعد آیا خط
تو زنداں میں پہونچا مجھے ہر نمط

جو بہتر جو سن بارہ سو پر ہوئے
یہ شوّال میں ہم نے مضموں لکھے

ہوا حکم جنرل گورنر یہ یار
خبر لیں گے سب کی نہ ہو بیقرار

الی الآن دردر ہے ہر اک تباہ
سبب اُس کا کھلتا نہیں آہ آہ

Marfat.com

مرے واسطے بھی عنایت ہوئی — کچھ امداد زر کی بھی صورت ہوئی
ہوا حکم کونسل جو اے نیک ظرف — تو دو لاکھ مبلغ ملے بہرِ صرف

نقل حکم نامۂ موسومہ واجد علی داروغہ

اور اک حکم واجد علی کو لکھا — اسی طرح کا اس میں مضمون تھا
کہ ہم نے لکھا لاٹ صاحب کو خط — کہ بھوائیں محلوں کو وہ ہر نمط
تجھے بھی جو معلوم احوال ہو — مرے مال و زر کا جو کچھ حال ہو
وہ بے شائبہ لکھ نہ کر اس میں ڈھیل — بجا کون اور کون سا ہے ذلیل
جو کچھ جمع ہو دیں محل خوش خرام — تو تفصیل اسموں کی لکھ نیک نام

ذکر عنایات والطاف اریکہ آرائے سلطنت وحشمت رونق بخش سریر شوکت وعظمت نواب مستطاب معلی القاب اشرف الامرا ریٹ ہنریبل چارلس جان ارل کننگ گورنر جنرل صاحب بہادر خلد اللہ ملکہ وسلطنتہٗ الی یوم التناد آمین ثم آمین کہ بر راقم الحروف است

ابھی تک تو ہے لاٹ صاحب کے دھیان — یہ معلوم ہوتا ہے ہیں مہربان
سناؤں میں تفصیل اس کی تجھے — بہ گوش دل اس کو اگر تو سنے
بوقتِ حکومت تھا جو رسم یار — وہ آداب والقاب ہے برقرار
جو تھا خلد اللہ میں ملکہٗ — وہ بدلہ ہوا دام اور مجدہٗ
زرافشاں وہی خط وہی عرض وطول — خریطہ بھی زربفت کا بااصول
مگر ایک ہی قید میں آیا خط — اسی کی یہ تعریف ہے خوش نمط

Marfat.com

دوبارا تو خط کوئی آیا نہیں
دوم خط نے چہرہ دکھایا نہیں
سنو تمغۂ تہُسر بھی ہے بجا
وہ فرمان پہ ہوتا ہے بے دغدغا
یہ کھُلتا نہیں حال مجھ کو ذرا
یہ قید اور یہ جاری ہے تمغا مرا
عنایت فقط لاٹ صاحب کی ہر
نہیں کچھ سوا اس کے اب اور شے
عجب کیا جو جاگیں ہمارے نصیب
جو بچھڑے ہیں پھر ہوں وہ ہم سے قریب

ساقی نامہ وحال بے وفائی مطلوب السلطان
نواب خجستہ محل صاحبہ کربلائی

لگا میرے سینے سے سینے کو تو
تجلّی کر اس آب گینے کو تو
دما دم مۓ ارغوانی پلا
نہ ہو سرخ تو زعفرانی پلا
پِلا لب سے لب گال سے گال کو
نہ سنجیدہ کر میرے اعمال کو
بلا ہونٹ ساقی ذرا رحم کر
ندا دے کہ مستوں کو ہووے خبر
رکھوں تیرے آگے جبین نیاز
ذرا چھیڑ مضراب آہن سے ساز
صدا دے کہ مستو چلو شہر سے
یہ قندِ مکرر ہیو تہُسر سے
ادب کر نہ رندوں سے تو ساقیا
نہ کر رندمے نوشش کو بے مزا
صدا دے مغنّی کو اے غم گسار
کہاں ہے ذرا لائے اس جا ستار
کہاں ساز ہیں اور طبلہ کہاں
رَباب اور بربط کہاں ہیں جواں
کدھر بین ہے اور کہاں دائرا
کہو چھیڑے قوّال ڈھولک کو آ
وہ زنّاٹے سارنگیوں کے اڑیں
کہ تارِ رگِ جانِ سامع مڑیں
کہاں تارِ آہن کہاں تارِ رُود
سرودی سے کہہ آکے چھیڑے سرُود
کہاں ہے وہ سازندہ سازندہ لائے
بندھے دُھن کہ جان نوازندہ لائے
طنبورہ کہاں ہے چکارا کہاں
پکھاوج کہاں ہے دوتارا کہاں

Marfat.com

سُر آئینہ کس جا کہاں سنگھار — کہاں ہیں مجیرے کہاں ہے کتار
دف مہ کہاں اور کہاں سازِ چنگ — کہاں ہے وہ مرچنگ اور جلترنگ
وہ دسنا کدھر ہے وہ بایاں کہاں — کہاں خنجری اور ستار اے جواں
ہے کرتال کس جا ہڑک کس طرف — کھڑی ہے کدھر مہ جبینوں کی صف
کہاں ہیں وہ جھانجھ اور طنبورہ یار — کہاں گھنگروؤں کی صدا اے نگار
ترم بیٹے کہاں اور کہاں ہر بہ تار — کہاں تونبیاں اور کہاں سازِ تار
وہ کھڑوتی سر جیت ہے کس طرف — کہاں ہے وہ مندل کہاں ہے وہ دف
کہاں ہے وہ کنتور ناسا کہاں — ڈہل کس طرف ہے تماشا کہاں
وہ بیلہ کدھر ہے بیانہ کہاں — کہاں ہیں وہ ارگن سُن اے قدرداں
کہاں ہیں وہ شہنائیاں سینہ سوز — ٹکوریں وہ نقاروں کی داغ دوز
صدا زیر و بم کی سنا دے ہمیں — وہ رقاصہ خوش دکھا دے ہمیں
سُروں کی اپج ہو ترنم کے ساتھ — ہلیں ہونٹھ مطرب کے قم قم کے ساتھ
کھرج کا نقار اور سروں کی لکیر — وہ تانیں کہ جن سے پڑیں دل پہ تیر
وہ تحریر اور گٹکری میں سُنوں — ہوائی مہتاب انعام دوں
وہ انچین وہ بلٹ سُنا مطربا — کہ ہر دانہ ہووے دُرِ اشک کا
لگا سات سُر اس طرح کھینچ کر — کہ زہرہ کو ہو آسماں پر خبر
رکھب اور سر اس طرح سے لگا — کہ گندھار کا ننگ ہو حوصلا
وہ مدھم وہ پنچم وہ دھیوت لگے — نکھاد فلک جس پہ تحسیں کرے
کلا اور پنزا اور سُنا بھار ہیں — کھٹ عم ہر اک راگ جس سے ملیں
سُرت ہو ویں بائیس سولہ کلا — دکھا لحن داؤد کا معجزا
چھ راگ اور چھتیس ہوں راگنی — ہر اک اپنی انگلی پہ میں نے گنی
کلاونت قوال ڈھاڑی بلا — مجھے خوش مزہ کوئی دھرپد سنا
کلاونت اک سو کمالی الگ — کہیں پٹہ باز اور خیالی الگ

Marfat.com

غزل خواں الگ ٹھری داں ہوں جدا — کہیں نکٹہ ہو اور کہیں دادرا
کہیں ہووے اکتالا روپک کہیں — تو چوتالہ گاوے کوئی نازنیں
کہیں آڑا چوتالہ اور خمسہ ہو — فرودست ذو بحر کو بھی رگتو
کہیں سولہ اور فاختہ کو دکھا — برم ہو تتالہ ہوائی مزا
جیتر دس کہیں اور کہیں کو کلا — ہر اک تال کا ہنڈ مجھ کو دکھا

کہیں پچھمی ہو اور سواری کہیں — ادا سے تھرکتی ہو ہر مہ جبیں
کہیں ہووے پٹ تال دھیمہ کہیں — غرض عیش و عشرت مرے کر قریں
پلادے جو مے مجھ کو پھر اسکے بعد — سن الحان و صوت حزیں مثل رعد
برس کر چلا جاتا ہے ابر تر — نہیں ساقی میرے تجھے کچھ خبر
یہ ہیہات برسات خالی چلی — کدھر اب تری طبع عالی چلی

اٹھا ہاتھ مستوں کو دے تو دعا — نہ ہو بزم مطرب میں ساقی خفا
لگادے لبوں سے صراحی نور — ادھر حور ہو اور ادھر ہو قصور
مہینوں سے ہوں میں جدا یار سے — ملے شکل مہجور بیمار سے
دکھادے مجھے نرگس چشم یار — کہاں تک کروں وصل کا انتظار
تپاک دل کی پھوڑے کے مانند ہے — گرفتار زنداں ترا رند ہے

عجب تجھ سے ہے اے گل بوستاں — کہ زنداں میں ہے بند تیرا جواں
نہ تن کی خبر ہے نہ سینے سے ساز — نہ ہمراز کوئی نہ راز و نیاز
گرفتار آفت ہے اک بادہ خوار — ہے جام محبت کا اس کو خمار

نہیں ہے کوئی حافظ جان زار — سوائے خدا کون دے گا قرار
سنا حال دل اور قید فرنگ — نہ اعلان قصہ میں کر تو درنگ
ذرا سامعیں جمع ہو لیں یہاں — سنا پھر نئی طرح کی داستاں

Marfat.com

دُرِ آفریں سے بجواب جھولیاں — تفنگِ مضامیں میں دے گولیاں
نہیں گو یہاں قدردانِ سخن — سُناؤں کسے میں بیانِ سخن

سوا اپنے سائے کے کوئی نہیں — ہَوا بھی نہیں رووتن کے قریں
ہَوا تنگ نہیں قید خانے میں آہ — ہوا بے گنہ قید میں بادشاہ
مگر غم نہیں ساقیا کیا ہوا — غلامِ علیؑ کو نہیں ڈر ذرا
نگہباں ہے میرا وہ شیرِ خُدا — کہ سلماں کو جس نے چھڑا ہی دیا

مرا بھی وہ مولا نگہبان ہے — مجھے قید خانے کا کب دھیان ہے
سُنو لو سنو قصّۂ پُرملال — جو گذرا ہے اس قیدخانے میں حال
کسی کی محبت کو پایا نہ ٹھیک — محبّت کو دیکھا ہے امرِ رکیک
رہے سو برس گر فدا ایک پہ — وہ دم بھر میں لیوے نہ اس کی خبر
عجب ہے یہ نیرنگ دنیائے دوں — زبوں ہے زبوں ہے زبوں ہے زبوں
جو سن بارہ سو پر چوہتر ہوئے — خبردار یوں مجھ سے کہنے لگے
نجستہ محل تھی جو زوجہ مری — وہ ذیقعدہ کی بارھویں کو گئی
روانہ ہوئی موتی کھولے سے وہ — سُبک نکلی الفت کے تولے سے وہ
وہ تھی پندرہ سال سے میرے پاس — مری قید سے ہو گئی وہ اُداس
نہیں بلکہ لڑکر وہ راہی ہوئی — مری جان و دل کو تباہی ہوئی
منگایا تھا پہلے مرا پیرہن — کیا زیبِ جامہ طلب خوش بدن
مجھے چادرِ خوش عنایت ہوئی — میں سمجھا کہ اب دو ہی چاہت ہوئی
مگر بعد دو روز واپس کیا — لیا اور گلزار کا راستا
دوپٹہ دیا ہم نے بھی اس کو پھیر — ہوئی جان اس کی محبت سے سیر
جو ہیں جعفری بیگم خوش لقب — زنِ دوّمی میری اے ذی نسب
سُنا ان کی خالہ کے گھر وہ گئی — وہ بُت بھر کلکتہ ہی میں تھی

Marfat.com

سنا یہ بھی جائے گی وہ لکھنؤ
وہاں سے زیارت کی ہے آرزو

مگر جب وہ بت کربلا جائے گی
تو جانِ حزیں عافیت پائے گی

دوبارا روانہ ہوئی گر بلا
نہ راہی ہوئی تو بلا ہے بلا

دیئے پانسو سکے ہیں نے اسے
کہ اس میں سے وہ خرچ اپنا کرے

یہاں سو روپے کی تھی تنخواہ دار
نہ آیا مگر میرے گھر میں قرار

مہینہ ریاست میں ڈھائی ہزار
ملا کرتا تھا شک نہیں زینہار

سماجت بھی کی میں نے منت بھی کی
محبت بھی کی اور اطاعت بھی کی

مگر کچھ نہ سمجھی ہمارا پیام
نکل کر کیا ہم کو کیا نیک نام

یہ دنیا کی ہے بے وفائی کا طور
ذرا کیجیے خود نمائی پہ غور

برے وقت میں کام آتی نہیں
مصیبت میں صورت دکھاتی نہیں

جو پروانہ جل جائے شعلہ رہے
تو ہے خاک مرنے پہ پھر کیا رہے

نہ ہو شمع کو کچھ ملال و خیال
جلائے جو عاشق کا رو و جمال

اسیرِ دو دستِ پروانہ ہو
ذرا بھی اسے اس کی پروانہ ہو

سوا روشنی کے نہیں اس کو ڈر
ذرا بھی نہ ہو اس کے غم کی خبر

ارے بے خبر باز آ عشق سے
ارے ذی ہنر باز آ عشق سے

یہ وہ عشق ہے شمع میں گر سمائے
قیامت تلک محفلوں میں جلائے

یہ وہ عشق ہے گر بنے راہزن
نہ چھوڑے کبھی مردگاں کا کفن

یہ وہ عشق ہے گر پڑے آگ میں
سمندِ ہوا پھونک دے آگ میں

یہ وہ عشق ہے گر بدن میں سمائے
شرابِ مصفا کی صورت جلائے

یہ وہ عشق ہے خلط میں گر ملے
تو صفرا و سودا کو خنجر سے ملے

یہ وہ عشق ہے پھول میں گر در آئے
پری بن کے صورت گلوں کی جلائے

یہ وہ عشق ہے گر کفن میں رہے
کفن پھر نہ مردے کے تن میں رہے

یہ وہ عشق ہے بلبلوں کو جو ہو
یہ وہ عشق تر ہے گلوں کو جو ہو

Marfat.com

جلا کر کرے دونوں خاکِ سیاہ — یہ ہے اپنے ہی تخت پر بادشاہ
ادب کر ادب کر خموش اخترا — کہاں تو کہاں یہ سخن مرحبا
دعا کر خداوند عالم سے تو — چھٹے اب کہیں جلد اس غم سے تو
رہائی تری ہو تو ہے بے گناہ — یہ در گذرا اس سے نہیں بادشاہ
عوض بادشاہی کا گر جان ہے — تو بندہ کبھی خائف ہر اک آن ہے
فقط نام شاہی سے ہوں میں خراب — کہاں میں کہاں قید کیسا عذاب
اٹھاتا ہوں قرآں نہیں ہے یقیں — کروں کس سے فریاد میں دل حزیں
دلِ زار ہونٹھوں پہ آ آ گیا — میں گھبرا گیا سخت گھبرا گیا
الٰہی مجھے قید سے دے نجات — نکلتی نہیں غم سے اب منھ سے بات

بس اب الحذر الحذر اے خدا
کر اس اخترِ زار کو تو رہا

ساقی نامہ در انتظام جواہر گفتار در
بے وفائی چند صاحبات محل در قید

سرِ نوکِ خامہ چٹک رنج سے — نکل مارِ قاروں ذرا گنج سے
ابھر اے دلِ سادہ نازک مزاج — اٹھا افسرِ خسروانی کو آج
چہک بلبلِ لکھنئو باغ میں — ہمائیں دکھا فرق اور زاغ میں
مہک اے گلِ خامۂ وصفِ یار — دکھا طبعِ رنگیں کی جلدی بہار
اٹھا شاہدِ حسن سے پھر نقاب — لگا طائرِ فکر کے اب کباب
بجا سازِ غم ہجرِ دلدار میں — سنا نغمۂ حزن افکار میں
چمک برقِ دل مثلِ تیغِ الم — ابل بحرِ مستی نہ کر رنج و غم
دہل جا ارے دل کہ زنداں ہے — یہاں دیوِ ہجراں نگہبان ہے

Marfat.com

سما دل میں اے ترکِ نازک مزاج | سُنا دے مجھے حالِ قتل و خراج
جما گنبدِ نیل گوں برف تو | پیئے آتشِ ہجر کر صرف تو
سبک کر جو بھاری ہوا ہے بدن | ارے باغباں مجھ کو دکھلا چمن
اُپج سُر کی لے اے دلِ تار تار | بجا میرے آگے ذرا سُر سنگھار
لٹک رُخ پہ گیسوئے جاناں ذرا | صدا دل یہ دے میں مُوا میں مُوا
اُلجھ تو نہ گُل سے سُن اے عندلیب | اٹھا ہاتھ کو نبض سے بس طبیب
بلک طفلِ غنچہ چمن میں ذرا | کھِل اب اس طرح دل کھلا دے مرا
کلی جیب کھِلے دستِ بقچہ کھُلے | زر و سیم ہیں روئے نسریں تلے
اُچک رنگِ پان اس کا دزدِ حنا | یہ چوری کھلی ہے نہ چھلا چھپا
سنبھل اے قلم فکرِ رخسار میں | حلب سے چل اب شہرِ تاتار میں
اُٹھا اے عروسِ معانی نقاب | کہ مشاطہ ہے فکر کی لاجواب
سُنا اے غزل خواں بیانِ سخن | یہاں جمع ہیں قدردانِ سخن
سرک دل سے اے کوہِ رنج و الم | ستم ہو چکا اب کرم کر کرم
جفا جو الگ ہو ذرا پاس سے | ذرا دور ہو فکر و سواس سے
یمِ ہجرِ دلدار جگر میں آئے | سفینہ محبت کا دل میں چلائے
تڑپ دل میں عاشق کے اے برقِ طور | جلا کر بنا سرمہ بیا کوہِ نور
ادب کر رُخِ زار ہے نوش سے | سخن عرض کر اک ذرا ہوش سے
اُلجھ تو نہ بیہودہ اے باغباں | وہ سنبل کہاں ہیں کہاں ارغواں
وہ نسرین کہاں ہے کہاں نسترن | وہ ریحاں کہاں ہیں کہاں ہے چمن
کدھر ہے وہ بیلہ جو نوشہ بنائے | گلِ اشرفی ہے کہاں نذر لائے
کہاں ہے وہ لالہ جو دے دل کو داغ | کہاں وہ چمن ہیں کہاں ہے وہ باغ
کہاں ہے وہ شبّو کی اب کرنائے | جو فوج پیادہ گلوں کی ہٹائے
کہاں ہے وہ جوہی وہ نسریں کہاں | ہر اک نیکھڑی کا وہ آئین کہاں

Marfat.com

چنبیلی کہاں ہے نواڑی کہاں　　نواڑا جو دریا میں کھیلے جواں
وہ نسرینِ حسنِ بُتاں ہے کہاں　　وہ بینی شبّو کہاں گل فشاں
کہاں سنبلِ زلفِ رعنائے یار　　کہاں نرگسی چشم کا وہ خمار
وہ داؤدی کس جا ہے نغمہ کرے　　گُلِ گوش گلچیں میں خوشبو بھرے
رُخِ زرد عاشق بنے نسترن　　ثنا خواں ہو جس کا چمن کا چمن
کہاں ہے کدھر آتشِ حسنِ یار　　کہو آکے نسرین کی دیکھے بہار
پلا تخمِ ریحاں کی دارو مجھے　　لبالب پیالہ دکھا تو مجھے
کدھر ہے وہ البیلا پیالہ منگائے　　گلے میں ہوں ہار اور چمن میں بجائے
زرِ اشرفی سے نہ بھر دل کا گنج　　کہ دروازہ ہے یہ سرائے سپنج
اٹھاؤں جگر پر جو لالہ کا داغ　　تو سرسبز ہو داغ دوزی سے باغ
نزاکت ہو جوہی کی دلدار میں　　کنی ہیرے کی ہو رُخِ یار میں
چنبیلی مری ہے اک ادنیٰ کنیز　　سکھاؤں اسے بوستاں میں تمیز
شبِ مہ میں کھیلوں نواڑا اگر　　نواڑی کے تختے ہوں پیشِ نظر
بنے پھول کنگھی پہ زلفِ یار　　کہوں زلف کو عشق پیچانِ یار
ادب سے رکھ اس باغ میں پاؤں تو　　شبِ تار ہے خوف کر ماہ رو
نگہباں یہاں مار اذکار ہیں　　سیاہی قلم سب نگہدار ہیں
قلم کے لیے بیلچی باغباں　　قلم کرتے پھرتے ہیں اشجارِ جاں
وہ تھالہ بنی ہے دوات سیاہ　　جو ہے مثلِ ظلمات بے مہر و ماہ
سیہ صوت سے ہے سیاہی کا حال　　جمانے نہ دے گی یہ رنگِ وصال
قلم دست شاعر میں ہے گلعذار　　دیا شاخ صندل سے لپٹا ہے مار
گُلِ کیوڑہ بن بن گئیں انگلیاں　　لکھا ان سے جب وصفِ روئے بُتاں
کروں ترجمہ روئے دلدار کا　　لکھوں حاشیہ مصحفِ یار کا
منقش مطلا کروں لوحِ دل　　گلوں کو کروں باغ میں منفعل

Marfat.com

خزاں سے بچاؤں چمن کی بہار ۔ دکھاؤں نئے ڈھب سے اندازِ یار
وفا بے وفا جمع سب کو کروں ۔ بُرا یا بھلا ہو میں تعلیم دوں
سرِ تاکِ انگور میں نشہ ہو ۔ چمن کو ہنساؤ ذرا گل رُخو
مری جان بیتاب ہے رنج سے ۔ مرا دل نہ خوش ہوگا اس گنج سے
مجھے اس طرح کی ہے ہچکی لگی ۔ صراحی تلک مجھ پہ روتی گئی
ہوا ساغرِ دل کو مجھ سے اَلَم ۔ بھرا جب سے میرا خُمِ رنج و غم
سُرورِ دلِ یار کم ہو گیا ۔ رُخِ زار اشکوں سے نم ہوگیا
سخن کی چمک دل سے جاتی رہی ۔ ہَوا ناتواں کو اڑاتی رہی
سرِ زلفِ لیلائے دل خم ہوا ۔ فقیروں سے محفل میں ہم جم ہوا
غضب سخت دل ہیں بُتانِ فرنگ ۔ غضب ہیں غضب ہیں جوانِ فرنگ
نہیں دیکھتے دل کی بیتابیاں ۔ سمجھتے ہیں الفت کو بدخوابیاں
جلا دل جلا دل ارے آب دے ۔ شبِ تار میں رنگِ مہتاب دے
سنہری روپہلی وہ مضموں سناؤں ۔ مُرصّع ورق ہو جو قصّہ بناؤں
جڑاؤ دکھاؤں ہر اک قافیا ۔ مسلسل ردیفیں ہوں دُر سے سوا
وہ الماس معنی کو ہووے چمک ۔ کہ روشن رہیں رات دن سب فلک
تراشوں وہ فیروزۂ رنج کو ۔ کہ قارون رکھے پلّے میں گنج کو
وہ فیروزہ بختی ہو مجھ کو نصیب ۔ کہ ہو فتح و فیروزی دل کے قریب
بناؤں گا فیروزہ کو میں کنیز ۔ سکھاؤں گا اس کو جہاں میں تمیز
بناؤں گا فیروز کو میں غلام ۔ مقابل مرا کون ہے نیک نام
جو باندھوں گا میں چرخ فیروزہ رنگ ۔ کروں گا جہاں نیلا گوں بیدرنگ
جو باندھوں گا پکھراج رخسار زرد ۔ تو گیندے کا ہوگا چمن گرد برد
رخِ عاشقِ زرد دکھلائے گا ۔ دل صاحب ہجر غم کھائے گا
دکھاؤں جو رنگِ طلائی یار ۔ تو پکھراج کی ہو چمن میں بہار

Marfat.com

وہ یاقوت لب کی لکھوں آب و تاب | کہ کانِ مضامیں ہوں دُرِّ خوش آب
کروں صرف خونِ دلِ زار میں | لکھوں وصف لبہائے دلدار میں
عقیقِ یمن سے ہوں خوشرنگ لب | کریں سرخرو روئے عاشق کو جب
زمرد کی تختی بنا سبزہ رنگ | نہ کر طوطیِ وصل سے آج جنگ
کہاں ہے لب صاف کی لعلڑی | کدھر ہیں وہ دنداں دُروں کی لڑی
کہاں ہے وہ لہسنیۂ خالِ یار | کہاں ہے حدیدِ شبِ زلف تار
کہاں ہے وہ مرجانِ دستِ نگار | کدھر ہے وہ لعلِ حنائی بہار
کمیتِ مضامیں کی ہیکل بناؤں | کمیدک کہاں ہے جو میں گوندھ لاؤں
کہاں قطرۂ آبِ الماس ہے | تجھے آبِ دُر کی بہت پیاس ہے
کہاں اس فقیری میں سیمِ کنول | شبِ تار میں شمع جاتی ہے جل
دلِ لندیزی ہیرا بہ مضموں ہوئے | مرے شعر خوش آب موزوں ہوئے
ہر ایک مصرعۂ تر بنا کوہِ نور | ہر اک شعر کا حال ہے برقِ طور
عجب رنگ ہے اور عجب ڈھنگ ہے | عجب وضع ہے اور عجب سنگ ہے
جو مستی کی تحریر ہر دم ہوئی | سیاہی تلک رشکِ سُلیم ہوئی
گلابی دکھاؤں جو ہیرے کا رنگ | تو ہو نشہ میں جھتا پتا کچی ڈھنگ
جو مضموں جواہر کے بڑھ کر ہوئے | مرے کانِ کان جواہر ہوئے
یہ چیں جبیں کے قرینہ کروں | سلیمانی بالکل نگینہ کروں
جو مژگاں کو دیکھوں دو پکا بناؤں | رخِ یار کو میں سنہرا بناؤں
کٹیلا بناؤں سرِ زلفِ یار | کہ یہ سانپ کی طرح ہے داد مار
پسینے کے قطرے کہوں تر ملی | لکھوں حال و وصف لبِ لعل کبھی
جواہر کو جوہر بنا کر دکھاؤں | سر دہی کا مالا صراحی بناؤں
نہیں نورتن میرے مضمونِ خوش | کیا صرف اس فکر میں خونِ خوش
بنا یکۂ ماہ مصرع مرا | ہوا بازوئے مہر پر خوش نما

Marfat.com

بنا ڈانڈ سارا ستونِ بلور — کیا فکر سے میں نے خونِ بلور
مضامیں منگائے گا کیا زیب کو — منگاتا ہے خلخالِ پا زیب کو
سجے اس رقم سے جو بازوئے یار — تو پھر اس کی تعریف سُن اے نگار
ترستی ہیں آنکھیں مری حسن کو — رہائی ہو اختر کی آ میں کہو
عجب ہوں میں اک شاعرِ خستہ حال — سوائے محبت نہیں کچھ خیال
ادھر کی ہو دنیا ادھر غم نہیں — قیامت جچتی ہے کہ جب ہم نہیں
سُن اب قصۂ پر ملال حسیں — کہ اب تجھ پہ تو آفریں آفریں
ذرا تو مصیبت سے سنبھلے یہ دل — ہوا قید خانہ میں تن مضمحل
یہ وہ جا ہے جس جا سے بھاگے شعور — یہ وہ جا ہے بھاگے ہنر دور دور
یہ وہ جا ہے عاقل کو ناداں کرے — یہ عالم کو طفلِ دبستاں کرے
یہ وہ جا ہے بھاگے نسیمِ بہار — نہیں پر ہیں بھاگے جمال و قرار
یہ وہ جا ہے جس جا سے دل تنگ ہے — یہ وہ جا ہے جس جا کا بد رنگ ہے
یہ جا تو نہ ہو دشمنوں کو نصیب — چھپاتے ہیں منھ ایسی جا سے حبیب
اسی جا سے ہیں الحذر مانگتے — نہیں اس جگہ پر خبر مانگتے
اسی جا پہ بیدل ہوئے ہیں جواں — اسی جا پہ ہے بند رو و دہاں
اسی جا پہ ہے زندگی بے مزا — یہ زنداں ہے زنداں بچائے خدا
کہاں تک بکے گا سنبھال اب زباں — سُنا قید خانے کا قصہ جواں
نہ کر بے وفائی سے دنیا کی رنج — کہ ہے نام اس کا سرائے سپنج
ذرا گوشِ دل سے سنیں سامعیں — کریں آفریں آفریں آفریں
اسی کا ہوں طالب خدا ہے گواہ — عجب طرح کا میں بنا بادشاہ
نہ دنیا سے کر دل میں رنج و محن — سُنا قصۂ بے وفائی زن
سُنا کچھ زنوں کی رکھائی کا حال — خود آرائی و خود نمائی کا حال
وہ معشوق و دلدار و اختر محل — وہ جعفر وہ قیصر سُن اے خوش عمل

Marfat.com

یہ سب میری ہیں زوجہ ہائے حسیں ۔ نہیں شک نہیں شک نہیں شک نہیں
ہے ان سب میں دلدار و جعفر کا پیار ۔ فراق ان کا مجھ پر نہایت ہے بار
کوئی چیز بھاتی نہیں قید میں ۔ کہ جس طرح سے دم نہ ہو صید میں
ہوئے قرب دلدار کو سولہ سال ۔ برس سات جعفر کو اے ذی کمال
ہوئے ربط قیصر کو تیرہ برس ۔ نہ باقی رہی کوئی دل کی ہوس
کہ اب قرب اختر محل کو شمار ۔ کہ نو سال سے ہے مرے پاس یار
جو ہیں ملکۂ ملک اے خوش خصال ۔ ہوئے ان کی الفت کو اٹھارہ سال
طبیعت بہت میری گھبرائی جب ۔ کیا پائے قیصر کا چھلّا طلب
کٹے ناخن دست معشوق سے ۔ طلب یہ کیا دل کے صندوق سے
منگائی پھر اک شے یہ اک یار سے ۔ مِسّی شب آلودہ دلدار سے
یہ اختر محل سے کہا اے قمر ۔ ذرا بھیج دے اپنے تو موئے سر
کہا جعفری سے کہ اے خوش جمال ۔ تجھے چاہیے تیرے منھ کا اگال
کہ آگے بھی بھیجا تھا تو نے اگال ۔ منگا کر مرا خوش ہوئی تھی کمال
اس اختر کا تو کہنا چکی ہے اگال ۔ نہ کر بھیجنے میں تو اب قیل و قال
انگوٹھی بھی بھیجی تھی تو نے مجھے ۔ دیا سفل تجھ خوش گلو نے مجھے
دلائی بھی اک اک دوپٹہ بھی یار ۔ تجھے بھیجا تھا شک نہیں زینہار
اٹھنا بدن کا عنایت ہوا ۔ تجھے بھونک پھر پان کا بھجوا ذرا
کہا جعفری نے کہ سن اے جوان ۔ کہاں میں کہاں تو کہاں یہ بیان
منگا اس سے جس کو دیے ہیں ہزار ۔ بہت جس کا سینے میں ہو تیرے پیار
نہ بھیجوں گی میں تجھ کو اپنا اگال ۔ دیا کچھ نہ اس نے سوائے ملال
دیا ملکۂ ملک نے یہ پیام ۔ کہ میرا ہے دنیا میں معشوق نام
منگا ان کے ناخن جو کرتی ہوں پیار ۔ وہ بھیجیں جو ہوں آپ کی رازدار
جو مانگے ہیں ناخن نہیں ہیں وہ اب ۔ یہ حجام کا کام سیکھا ہے کب

Marfat.com

دیا مجھ کو دلدار نے یہ جواب / نہ بھیجی مسّی تو نہ کرنا عتاب
طبیعت مری ہے نہایت علیل / نکلتی نہیں بھیجنے کی سبیل
تو پھر بولی یوں قیصرِ نامدار / نہ کر مجھ کو معشوقوں میں تو شمار
مرے پاس چھلّا کہاں اے جواں / کہاں ہے کہاں ہے کہاں ہے کہاں
جو چھلّے کی چوری ہوئی مجھ پہ شاق / ہوا اور دونا غبارِ فراق
کسی کی نہ مجھ پر عنایت ہوئی / کسی کی نہ زنداں میں چاہت ہوئی
نہ بھیجی کسی نے مجھے کوئی چیز / کسی نے نہ کی دوستی کی تمیز
مگر ہاں اک اختر محل ہے لئیق / وہ زنداں میں میری ہوئی ہے رفیق
وہاں موئے سر مجھ کو بھجوا دیے / بنا جس طرح مجھ کو پہونچا دیے
رکھے موئے سر میں نے دل کے قریں / یہ سمجھا کہ دل میں ہے وہ مہ جبیں
وہ پہونچاتی ہے مجھ کو خوانِ طعام / تو آتا ہے ہر روز اے نیک نام
عجب اس میں کیا کس کی دختر ہے وہ / وہ اختر ہے مہر منوّر ہے وہ
اسی دن کو ہیں ذی حسب کام کے / اسی دن کو ہیں خوش نسب کام کے
محل خاص ہے جو مرا ایک نام / وہاں سے بھی آتا ہے خوان طعام
اور اک خوان دلدار ہے بھیجتی / مجھے وہ مری یار ہے بھیجتی
اور اک نمانۂ ملکۂ ملک سے / ملا کرتا ہے خوان ہر دن مجھے
گلوری کبھی آتی ہے ہرجا سے پانچ / نہیں آتش رنج سے دل کو آنچ
کبھی بد غذا گہہ غذائے لطیف / سلیقہ سے گا ہے کسی دن کثیف
مہینوں گزارے اسی طرح سے / یہ کیا دخل کوئی سخن گر کرے
عجب قید خانے کی ہے بند بند / چٹکتا ہے دل جیسے چٹکے سپند
ہے اک چھلا انگشتِ جعفر کا پاس / منگایا تھا پہلے جو اے خوش قیاس
اُبٹنے کی پڑیا مرے پاس ہے / نہ بھیجے وہ کب مجھ کو وسواس ہے
دوپٹّہ ولائی جو منگوائی تھی / یہاں قید خانے میں جو آئی تھی

Marfat.com

سُن اُن دونوں چیزوں کا تو مجھ سے حال — کہ یہ کیا ہوئیں اے دلِ خوشخصال
وہ باقر علی جب نکالا گیا — بلا تھا بلا جب وہ ٹالا گیا
وہ ہمراہ لیتا گیا دونوں شے — دولائی نہیں ہے دوپٹہ نہ ہے
وہ بدخواہ کمبخت ہوگا تباہ — مری چیزیں لے کر چلا اپنی راہ
مجھے غم ہے ان دونوں چیزوں کا اب — مرے ہاتھ سے وہ گئیں بے سبب
انھیں بھی اگر رکھتا میں اپنے پاس — نہ ہوتا مجھے رنج و خوف و ہراس

گفتار در صرف زرِ خود بہ زندان و ساقی نامہ بالتزام سلاح

لگا میرے تیغِ مضامیں میں زنگ — ہوا نیزۂ فکر جس طرح سنگ
بنا خنجرِ ذہن خس کی طرح — سپر فہم کی ہے مگس کی طرح
طبیعت کی تیغ اصفہانی جو تھی — مضامین کی سیف خانی جو تھی
وہ خاشاک کی طرح بدتر ہوئی — یہ بحر تقارب بھی خنجر ہوئی
ولایت کی تھیں جو خراسانیاں — مٹیں ہند میں آکے اے نوجواں
دلِ مغربی زہر کھانے لگا — طبیعت کو غم میں بجھانے لگا
ہوائے جنوبی بھی آتی نہیں — سروہی چمن کی دکھاتی نہیں
جو پھل فکر کا تھا الیمانی گول — نہیں اپنے قبضے میں اب اس کا مول
الیمانی نل دار تھی نہر جو — وہ موجِ مئے ناب ہے مغبچو
سرِ شعرا دنہ پرانا ہوا — جگر تیرِ غم کا نشانا ہوا
دلِ شاعرِ ہند کٹتا ہوا — پئے قتل اشعار کھانڈا ہوا
خیالِ میرِ زلف ہے ناگدوں — پھنسے خم میں اور اہرمن اسکے کون
یہ وہ تیغ ہے جس کا ٹانکا نہیں — اسی پر ظفریاب بانکا نہیں
کمر میں جو لپٹے تو لچھا بنے — نہ بل آئے اور عشق سیدھا بنے
جو تیغہ بنے ابروئے ماہِ نو — تو مصرع کو کھینچوں سوئے ماہِ نو

Marfat.com

بنا کامڑی کی سروہی یہ دل
ہوا الفت سرد سے مضمحل

ہر اک میرا مصرع بنے نیمچا
جو تلوار کھینچے مرا مہ لقا

بنے پتہ سوسن کا بھی ایک تیغ
پئے قتل گل جب چلے بیدریغ

وہ سورج کی الٹی کٹوری دکھاؤں
کہ اس چاند کو اپنے گھر میں لاؤں

میاں خانی قبضہ بنے میرا ذم
حکیموں کی خانی جو ہووے رقم

ترا دل ہے فولاد اے ترک سخت
تو اک ڈال ہے سرہپا خود کہ بخت

ادھر کچا لوہا ہے ہر شعر کا
کہ جس طرح ہو موم خام جفا

تری تیغ ابرو میں بل ہے ادھر
ادھر دل کے ہے ٹوٹ جانے کا ڈر

قزلی ادھر حسن کی ہے کھنچی
سپر شعر کی اس طرف ہے رکی

قمہ لب کا اس سمت ہے تیز تر
یہاں جز مضامیں نہیں ہے سپر

چھری حسن کی دل کو کرتی ہے قیض
قلم کی ادھر ہے فقط پیش قبض

کھلے ہیں ادھر بند رشک قمر
علی بند مضموں ادھر ہے سپر

ادھر پرتلہ حسن کی ڈاب کا
ادھر عشق عاشق میں معشوق تھا

ادھر ڈھلکا رومال تلوار کا
کھلا پردہ اس سمت اشعار کا

ادھر جوہر تیغ ابرو کھلے
ادھر بندش شعر میں مو کھلے

جو شمشیر الفت کے جوہر کھلیں
تو مصری کے مانند خنجر کھلیں

کہاں تیغ مصری کہاں تیغ ہند
نبات مکرر ہے ابروے رند

کہاں لالو وار اور پلہ کہاں
کہاں تیغ مصری کا سحنہ عیاں

کہاں فرخی اور بہازی کہاں
کہاں غزنوی ہے حسینی کہاں

کہاں تیغ ہندی سے دل اپنا بیش
دلندیزی کس جا کہاں پرتگیش

وہ گجراتی اور پردوانی کہاں
ترا ہی کہاں ہے یہانی کہاں

دل اب اس کے ابرو سے چورنگ ہے
بنے خانہ ساز اس کا یہ ڈھنگ ہے

بنے تیغ رومی جو کرچ فرنگ
مصقل ہو مصرع نہ ہو دل میں زنگ

Marfat.com

لگیں سان پر میرے اشعارِ نو ۔۔۔ طرحدار قاتل دکھا یارِ نو
وہ بیٹھا چڑا ہو ہر اک شعر کا ۔۔۔ کہ ہو تیز تر اُسترے سے سوا
جو چاکو نہ ہووے کوئی تیز تر ۔۔۔ تو مقراض الفت سے جاں کو کتر
مرے زخمِ الفت میں آئے مزا ۔۔۔ قلم سوزنِ غم سے ٹانکے لگا
کھنچے رُخ پہ گر ابروؤں کا کٹار ۔۔۔ سرِ دیو مضموں ادھر تو اُتار
ہزارا جنوبی کھلے باغ میں ۔۔۔ چمک ہو مرے سینے کے داغ میں
جو سحنہ کا قاتل کو آجائے ذوق ۔۔۔ دکھا ماہیِ دل کا تو ذوق شوق
کھنچے گر اُدھر ابروؤں کی کماں ۔۔۔ تو تو وہ بنا اپنے دل کا جواں
جو چلے میں ہوگی عیاں شست مشت ۔۔۔ نہ ہوگا ارنڈ اپنے دل کا درشت
کلائی میں اشعار کے خم نہ ہو ۔۔۔ جو کثرت ہے قلابوں کی کم نہ ہو
کماوہ بنا قدِ اغیار کو ۔۔۔ سُکھا دھوپ میں اس دلِ زار کو
اڑھائی تلک ٹانک لو گل کماں ۔۔۔ اٹھاؤں گا دو ٹانک کی بھی جواں
مگر ہاں جو فولادی ہوگی کماں ۔۔۔ جو ابروئے چہرہ کا ہوگا کماں
جو سینے پہ تیرِ مژہ آئیں گے ۔۔۔ تو ہم شعر کی بانک پر لائیں گے
تراشیں گے ایک ایک تیرِ مژہ ۔۔۔ دکھائیں گے کثرت کا اپنی مزہ
لگے گی اگر آن کر مجھ پہ لیس ۔۔۔ بنوں گا اسی وقت سلطان اویس
اگر کانپتی آئے گی ہے بُرا ۔۔۔ یہ سمجھوں گا بے ڈھب نشانہ لگا
اگر غرق تا پر ہوئی خوب ہے ۔۔۔ جو ٹوٹی میاں سے تو معیوب ہے
جرت ہر سرِ لیس کی شعر ہے ۔۔۔ نہیں اس سے بہتر کوئی اور شے
جو تکا لگائے گا وہ نازنیں ۔۔۔ تو ہووے گا جلادِ مضموں کہیں
اگر تڑیوں تک کو توڑے گا وہ ۔۔۔ مگر لطفِ بوسہ نہ چھوڑے گا وہ
اگر ناوکِ ہجر ہووے گا پار ۔۔۔ تو دے گی شکستِ معنا میں بہار
اگر تیر آئے گا خاکی کوئی ۔۔۔ تو بادی بناؤں گا اس کو پری

Marfat.com

جو کھیرے سے پالا پڑے گا مرا — تو کھپریل سے دل اڑے گا مرا
گرا دوں گا قصرِ مصفا میں کو میں — کمانداری دوں جانِ غمگیں کو میں
دلا ترک کر اب بیانِ سخن — سنا قصۂ درد و رنج و محن
کیا خرچ اس قید خانے میں جو — بہ تفصیل لکھتا ہوں اس کو سنو
ہے چھبیسویں آج ذیقعد کی — لکھ اخبار کچھ قید کے بعد کی
ہیں اب بارہ سو پر چوہتر جو سن — اسی سن میں دکھلا سخن کا چمن
مبارک ہے یہ جمعہ کا دن تجھے — کرے گا خدا خضر کا سن تجھے
یہ اختر جو ہے خاک پائے جہاں — یہ شاہِ اودھ تھا کبھی اے جواں
مگر اب ہے محبوس اہلِ فرنگ — طبیعت سے جاتی رہی ہو امنگ
کہ برسوں مجھے قید میں ہو گئے — مرے بخت بیدار سو سو گئے
ابھی تک رہائی کی صورت نہیں — وہ دولت نہیں ہے وہ ثروت نہیں
نہیں پوچھی جاتی خطا بے خطا — بہت تنگ اس جا یہ ہے دل مرا
جو تاریخ تک آج کی اٹھ چکا — وہ سب مثل اخبار میں نے لکھا
یہ بخشش نہیں ہے عنایت نہیں — بھلا اٹھتا ہے بار بخشش کہیں
غریبوں کی ہے یہ فقط روٹی دال — چنے بھون کر کھائیں جائے ملال
خدا کی قسم دے کے ہوں شرمسار — یہ وہ ہیں کروں جن پہ جاں میں نثار
نہیں ہوتی اس میں کبھی نانِ چاشت — مگر لکھ لیا یہ پئے یادداشت
دیے منشی صفدر کو یوں پانچ الف — کہ تو اپنے کاموں میں کر ان کو صرف
چل و پنج ہزار اور پھر چار سو — کرو بیش زائد تو گنتی ہو تو
یہ لندن روانہ کیے خرچ کو — کہا بیٹے ماں بھائی سے اس کو لو
پھر اک دفعہ بھیجا دو نہ الف یار — کرو تین سو زائد اس پر شمار
یہ بار دگر بھیجا لندن میں زر — کہ کھاؤ اسے جب تلک بیٹھ کر
دیے دفعہ چوتھی سن اے باتمیز — محل خاص ہے وہ جو مجھ کو عزیز

Marfat.com

چل دو پنج الف اور پھر چار سو — دیے اُن کو اور یہ کہا ہیں یہ جو
دیے پھر مجاہد کو گیارہ ہزار — چھپا ہے جو میرا وہ رستم شعار
دیے بسنت دو پنج الف اور چار سو — شمار انگلیوں پر کرو اس کو تو
انھیں کو دیے جو ہزار اور ہیں — جو محبوبۂ خاص دلدار ہیں
جو ہیں جعفری بیگم خوش پری — دیے شش ہزار اور سو صد انکو بھی
دیے پنج الف اس کو سُن اے نگار — کہ ہے نام جس بھائی کا ذوالفقار
دیے کربلائی کو پھر اک ہزار — کیے وقت رخصت یہ اس پر نثار
محمد رضا کو دیے اک ہزار — جو تھے فتح دولہ سُن اے ہوشیار
بڑے بھائی ان کے جو ہیں آغا جان — دیے پانسو ان کو اے مہربان
جو تھے چھوٹے بھائی یہاں میرے ساتھ — کہوں مرزا جعفر تو نام آئے ہاتھ
اُسے بھی دیے پانسو اے عزیز — مرے ساتھ تھا وہ سراپا تمیز
پھر اختر محل پر عنایت یہ کی — دیے سی ہزار ان کو اے متقی
دیے ملکۂ ملک کو سی ہزار — کہ آئے نہ سینے پہ اس کے غبار
کیے نذر قیصر بھی گیارہ ہزار — کہ لیوے نہ رنج اس کے دل میں قرار
خجستہ محل کو دیے اک ہزار — وہ راہی ہوئی لے کے اے غمگسار
دیا رنج ایسا کہ توڑا سب مجھے — اکیلا ہی زنداں میں چھوڑا مجھے
کیے صرف زنداں میں پھر چار الف — ہوئے کارخانے میں بالکل وہ صرف
کیے نذر سادات چھ سو پچاس — خدایا مجھے نذر آئے یہ راس
ہر اک ماہ تنخواہ داروں کو یار — دیا کرتا ہوں اک قلم دس ہزار
طلا لاکھ سکّے کا باقی ہے اب — اسے بھی اٹھاؤں گا اے خوش نسب
نہیں صورت آمد اے یار اب — اسی کا بہت ہے الم اور تعب
پلیں گی یہ کس طرح جانیں جو ہیں — کھنچیں گی یہ کیونکر کمانیں جو ہیں

تعلّی و جوشِ شاعرانہ

الٰہی مجھے صورتِ عیش دے — مرے دوستوں کو نہ تو طیش دے
خدایا مجھے قید سے دے نجات — رہے پائے مردی قدم میں ثبات
دُرِ فکر میں دے مرے آب تاب — رہیں سلکِ دُر میں یہ دُرِ خوش آب
بُھلاؤں مزا نظمِ فردوسی کا — مٹادوں چمن باغِ خاقانی کا
جمالی کو کردوں پری زاد میں — جلالی کا ہو جاؤں استاد میں
شبِ مہ بھلائی ہلالی کی یاد — کسی جمعہ میں ہو نہ جامی کی یاد
اُڑاؤں میں سعدی کو شیراز میں — سنوں اس کی فریاد آواز میں
جو فیضی ہو مجھ سے ہو وہ فیض یاب — کلیمِ سخن کو نہ سوجھے جواب
نظامی کے خمسے کو بھولیں جواں — بھرے چوکڑی آہوئے خوش بیاں
رُخِ انوری کو کروں مثلِ طور — ظہوری کا ہووے نہ ہرگز ظہور
کروں رومی کی مثنوی پائمال — جلے شمس تبریز آجائے حال
کسی کو نہ دیوان حافظ ہو یاد — نہ خسرو سے شیریں کی نکلے مراد
حزیں اور صائب مجھے جان جائیں — کلامِ شہِ ہند پہچان جائیں
کروں نسخ ناسخ کے اشعار میں — کروں فکر آتش کو بیکار میں
نہ سودا کا سودا ہو بازار میں — نہ ہو خلط چشمِ خریدار میں
ملازم رہے میرے اے چرخِ پیر — قبول و قلق طور و برق و اسیر
سنبھل بس سنبھل توبہ لاحول ہے — یہ بیہودہ کیا جوش کا ڈول ہے
کہاں یہ کہاں ایک ناچیز میں — نہیں جانتا کچھ بھی تمیز میں
یہ سب میرے سرتاج میں خاک پا — یہ سب قدرداں اور میں شاگرد تھا
غبارِ رہِ شاعرانِ جہاں — تراب قدم سب کا ہے یہ بیاں
خدا سے یہ کر عرض اختر بس اب — رہائی ہو جلدی مٹے یہ تعب

Marfat.com

مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات و خاتمہ

ملیں میرے احباب اے کبریا — ملیں میرے غم خوار مجھ سے خدا
الٰہی ملیں مجھ سے میرے حبیب — جو ہوں دور وہ جلد ہو دیں قریب
خدایا دکھا دے جمالِ پری — نہ آنکھوں سے دیکھوں ملال پری
پری زاد ہوں اور ہم ہوں بہم — کرم کر، کرم کر، کرم کر، کرم
تری لطف و امداد ہوں چاہتا — سرافراز کر مجھ کو بہرِ خدا
توقع میں تو ہی دلِ اشجع رکھے — تو ہی لوج دل پر طمع رکھے
تری ذات سے ہے امیدِ نجات — ترے نام سے ہے بدن کو ثبات
تجھی کو سمجھتا ہوں میں بے مثال — نہ دیکھے گا بندے کا اپنے ملال
تو لاریب ہے کردگارِ جہاں — تو ہی ہے تو ہی رازدارِ جہاں
تجھی سے ہے امید ہر فرد کو — تری ہے توقع زن و مرد کو
تجھی نے پنہایا ہے مٹی کو رنگ — تجھی نے دیا رزق بہرِ کلنگ
دیا تو نے پتھر کے کیڑے کو کیا — شرر کی طرح سنگ میں جو رہا
تری ذات ہے وہ غفور الرحیم — پے بندگاں ہے نہایت کریم
تجھی سے ہے امید اے بے نیاز — جو ہو عمر کوتاہ کر دے دراز
بٹھا دے گدا کو ابھی تخت پر — بنیں تیر اعدا بدن پر سپر
فقیروں کو ممتاز کر دے ابھی — درِ رزق کبھی باز کر دے ابھی
دل مطمئن کو کرے گر تباہ — نہ ہو اس کا دونوں جہاں میں نباہ
اگر شہ کو چاہے تو کر دے فقیر — فقیروں کو دم بھر میں کر دے امیر
گل تازہ تجھ سے ہے باآب تاب — چمن بھی ہرا ہے درختوں میں آب
ہر اک گل میں ہے شکل بو تیری ذات — تو باقی ہے اور ہے فنا کائنات
اشارے سے پیدا جہاں ہو گیا — بس اک کن کا کہنا عیاں ہو گیا

Marfat.com

نبیؑ و ولی و رسول و امام — ترے حکم میں ہیں سبھی خاص و عام
رگِ گُل سے بلبل کو الجھا دیا — خضر کو رہِ دیں سے ملوا دیا
کیا نور ظاہر تو ظلمت عیاں — تو ہی ہے تو ہی ہے خدائے جہاں
یہ ناکارہ اختر کی ہے التجا — نہ رد کرنا تو اس کو اے کبریا
کہ یہ بے گنہ قید میں ہے تباہ — شب و روز کرتا ہے زنداں میں آہ
نہ کوئی خطا ہے نہ کوئی قصور — نہ خاطیٔ غلماں نہ ہے دُزدِ حور
نہ خونی نہ رہزن نہ ٹھگ ہے نہ چور — کیا ہے نہ گا ہے غریبوں پہ زور
گرہ بُر نہیں میں اچکا نہیں — نہ لے بھاگا تھا میں کوئی نازنیں
شرابی نہیں ہوں جواری نہیں — کسی مال کی راہ ماری نہیں
کسی کو نہیں مجھ پہ دعوا کوئی — کہے گا مرے سامنے کیا کوئی
تو ہی جانتا ہے تو ہی ہے علیم — جو میں ہوں سزاوارِ نارِ جحیم
جلائے اگر تو تو تن پاک ہو — جو ہوں خاک تو کیمیا خاک ہو
نظر رحم کی چاہیئے کردگار — بہ بخشائے بر من پئے جانِ زار
بہ حقِ محمد بہ حقِ علیؑ — پئے فاطمہؑ اور حسنؑ متقیؑ
شہیدِ رہِ دیں امامِ حسینؑ — انھیں کے لیے دے مرے دل کو چین
پئے سیّد الساجدینؑ اے خدا — مجھے جلد کر اس قفس سے رہا
پئے باقرؑ و جعفرؑ بالیقیں — رہائی مجھے قید سے ہو کہیں
پئے موسیٰؑ کاظمِ رہ نما — رہا کر رہا کر رہا کر رہا
امامِ رضا کے لیے اے خدا — مجھے اب چھڑا اب چھڑا اب چھڑا
خدایا محمد تقیؑ کے لیے — خدایا علی النقیؑ کے لیے
حسن عسکریؑ کے لیے اے خدا — اس اختر کو کر قیدِ غم سے رہا
پئے مہدیؑ ہادی اے کردگار — چھڑا مجھ کو اس قید سے دے قرار
دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتا ہوں میں — دُرِ اشک رو کر بہاتا ہوں میں

Marfat.com

مری آبرو رکھ خدائے کریم　　بہت اپنے بندوں پہ ہے تو رحیم
بس اختؔر کر اب ترک طرز بیاں　　ہوئی ختم یہ مثنوی گلستاں
رکھا حزنِ اختؔر جو شعروں کا نام　　یہی نام رکھ کر کیا ہے تمام
پڑھے جو کوئی دیوے اصلاح نیک　　کہ روشن رہے دن کو مصباح نیک
الٰہی رہیں شاد یارانِ ہند　　پھر آباد ہو ویں جوانانِ ہند

ہوئی مثنوی اس سخن پر تمام
سلامٌ علیکم علیکَ السّلام

Marfat.com

"اودھ کے یہ حکمراں جن کی صرف غفلت شعاری، نااہلی اور عیش کوشیوں ہی کی داستانیں ہمارے دماغوں میں سرایت کرگئی ہیں اور جنھیں انگریزوں اور ان کے حاشیہ نشین مورخوں نے روم کا نیرو، انگلستان کا جان اور فرانس کا چودھواں لوئی بنا کر پیش کیا ہے، کب سے اس کے مستحق اور منتظر ہیں کہ اُن کی ایک غیر جانبدارانہ تاریخ لکھی جائے اور دیکھا جائے کہ انھوں نے اپنے وطن کو کیا دیا۔" ——— ڈاکٹر نیر مسعود

Marfat.com

فرہنگ اسماء مع اشاریہ

آتش ۔ ۱۷۳

آسماں جاہ ۔ واجد علی شاہ کا بیٹا از بطن رشک محل ۔ ۱۴۸

آغا جان ۔ مولوی کاظم علی مجتہد کے بڑے بیٹے۔ مولوی کاظم علی متوفی ۱۲۴۹ھ/۱۸۳۳ء کے کئی بیٹے تھے۔ ان کے تین صاحبزادے مرزا آغا جان، مرزا محمد رضا برق اور مرزا جعفر واجد علی شاہ کے ہمراہ کلکتے چلے گئے تھے۔ باقی صاحبزادوں کے بارے میں کوئی پتا نہیں چلتا۔ اس خاندان کے سب لوگ عالم فاضل، فن سپہ گری میں ماہر اور نہایت بہادر و جانثار تھے۔ یہی وجہ تھی کہ شاہی میں اس خاندان کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ ڈاکٹر سید سلیمان حسین نے "لکھنؤ کے چند نامور شعراء" میں مرزا محمد رضا برق کو مولوی کاظم علی کا بڑا بیٹا بتایا ہے جو درست نہیں ہے ۔ ۱۷۳

آلہا ۔ الہ آباد شہر۔ عہد مغلیہ میں صوبہ تھا۔ نواب شجاع الدولہ بہادر کے قبضۂ اقتدار میں تھا۔ جنگ بکسر ۱۱۷۸ھ/۱۷۶۴ء کے بعد اس پر انگریز قابض ہو گئے تھے ۔ ۱۲۰

اختر محل ۔ واجد علی شاہ نے اپنے وزیر سلطنت علی نقی خاں کی تیسری بیٹی رونق آرا بیگم سے ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۱ء میں عقد کیا۔ بادشاہ نے اپنے تخلص کی رعایت سے اختر محل صاحبہ خطاب عنایت فرمایا۔ مقبول الدولہ قبول نے اس شادی کی تاریخ کہی ؎

عروس نو جو یہ پہلو میں ہیں شاہا ضیاء نور کا تا چرخ شہرہ ہے

Marfat.com

قبول اس کی یہی تاریخ لکھتا ہے　　　مبارک یہ قرآن شمس و زہرہ ہے

اختر محل محلہ تحسین گنج میں ایک امام باڑہ بھی تعمیر کرا رہی تھیں کہ سلطنت پر زوال آگیا، واجد علی شاہ کلکتہ چلے گئے۔ اختر محل بادشاہ کے ہمراہ نہ جا سکیں مگر چند ماہ بعد اختر محل بھی اپنے باپ کے ساتھ بادشاہ کے پاس کلکتہ چلی گئیں بادشاہ کی حیات تک کلکتہ ہی میں رہیں۔ ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء میں لکھنؤ چلی آئیں اور تقریباً ۵۹ سال کی عمر میں ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء میں انتقال کیا۔ تحسین گنج میں دفن ہوئیں۔ اختر محل شعر و سخن میں یکتا تھیں مگر کلام ناپید ہے۔ ایک مرتبہ شہزادہ سلیمان جاہ انجم اختر محل کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا کلام سنایا۔ جب یہ شعر پڑھا ؎

دم مرا نکلا ترے وعدوں کے ساتھ
تیری گھبرائی ہوئی ہوں ہاں کی طرح

اختر محل نے فرمایا دوسرا مصرعہ یوں بدل دو ع

تیری ہی شرمائی ہوئی ہوں ہاں کی طرح ۱۳۸، ۱۴۹، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸

اڈمنسٹن ۔ (Adminston) انگریز۔ گورنر جنرل کا سکریٹری۔ ۱۲۳

اسیر ۔ مظفر علی خاں نام اسیر تخلص۔ تدبیر الدولہ مدبر الملک خطاب۔ شاعری میں واجد علی شاہ کے استاد اور ان کے مصاحب خاص۔ اسیر واجد علی شاہ کے ساتھ کلکتہ نہیں گئے جبکہ بادشاہ اسیر کو اپنے ہمراہ لے جانا چاہتے تھے۔ اسیر نے ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ء میں لکھنؤ میں انتقال کیا۔ ان کے دو لڑکے تھے بڑے غضنفر علی خاں، حکیم چھوٹے افضل علی خاں افضل دونوں شاعر تھے اور ایک لڑکی تھی جس کی شادی عطا حسین ابن سید غلام جعفر رئیس موتک پور ضلع بارہ بنکی سے ہوئی تھی۔ اسیر کی اس دختر کے بھی تین بچے تھے دو لڑکے اور ایک لڑکی۔ دونوں لڑکے لاولد فوت ہو گئے۔ اسیر کی نواسی ممتاز النسا کی شادی کٹوارہ کے کنور سید سجاد حسین سے ہوئی۔ ممتاز النسا

Marfat.com

کے لڑکے کٹوارہ کے موجودہ راجہ سید ساجد حسین ہیں۔ راجہ سید ساجد حسین نے مظفر علی خاں اسیر کے نام پر اپنے بڑے لڑکے کا نام مظفر علی خاں رکھا۔ مظفر علی اس وقت فلمی دنیا کے مشہور و معروف ہدایت کار ہیں۔ گمان غالب ہے کہ اسیر کی ذریت اب صرف ان کی دختر ہی کے سلسلے سے قائم ہے کیونکہ بیٹوں کی آل اولاد کا کوئی پتا نہیں۔ ۱۲۷

(بہ شکریہ راجا سید ساجد حسین صاحب)

امام خاں ۔ شاہی ملازم۔ ۱۲۶

امام علی ۔ شاہی ملازم۔ ۱۲۵

امجد علی ۔ واجد علی شاہ کے باپ۔ اودھ کے پانچویں بادشاہ۔ ۱۱۷

امراؤ محل ۔ نواب امراؤ محل صاحبہ بادشاہ کے ساتھ کلکتہ نہ جا سکیں۔ ۱۲۶۳ھ ۱۸۴۷ء میں امراؤ محل کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا تھا جو ایک سال کا ہو کر مر گیا عشق نامہ فارسی میں واجد علی شاہ لکھتے ہیں " نواب امراؤ محل صاحبہ کے بطن سے فرزند دل بند کے پیدا ہونے کی خبر مسرت افزا میرے گوش گذار ہوئی۔ میں شکر خدا بجا لایا اور گیارہ ضرب توپیں سلامی کی سر کرائیں۔ مگر اس کی تقدیر میں زندہ رہنا نہ تھا لہٰذا ایک برس کا ہو کر عالم جاودانی کی راہ لی۔ میں اس زمانے میں بیمار تھا۔ یہ خبر سن کر رچمنڈ صاحب (Richmond) مع بڑے صاحب پرسے کی رسم ادا کرنے کے لیے لکھنؤ آئے اور از راہ دوستی بہت کچھ تسلی و تشفی دی۔ میں خود اپنی علالت سے رنجیدہ تھا اور دوسرے سلطان قدر کی وفات کا صدمہ تھا کہ رات دن کی کچھ خبر نہ تھی " ۱۵۳

امیر بیگ ۔ ملازم شاہی۔ ۱۲۵

امیر محل ۔ خورشید لقا نواب امیر محل صاحبہ بادشاہ کے ہمراہ کلکتہ نہیں گئیں۔ محلہ رستی ٹولہ لکھنؤ میں امیر محل صاحبہ کا تعمیر کردہ امام باڑہ آج بھی ان کے نام کو باقی رکھے ہوئے ہے۔ مرحومہ اپنی حیات تک مذکورہ امام باڑہ

Marfat.com

میں نہایت الوالعزمی اور اہتمام کے ساتھ مجالس کرتی تھیں۔ واجدعلی شاہ کی بیگمات کے تو دُونا مے بہت مشہور ہیں۔ نواب امیر محل اپنے ایک خط میں واجد علی شاہ کو لکھتی ہیں :

جرعۂ چشاں ساغر عنایت و سرخوشان بادہ مروت مخمورۂ بادہ حسن و خوبی سرشار میخانہ عاشقی و محبوبی زادحسنہٗ وجمالہٗ ؎

مشہور ہیں دلوں کی مرے بے قراریاں

جاتی ہیں لامکاں کو دل شب کی زاریاں

الفت نامہ بدست منشی عبدالقادر آیا۔ میرے لیے خوب ہی قربت کا پیغام لایا۔ پاک پروردگار جان عالم کو صدہا سال سلامت رکھے۔ خداوہ دن لائے سوختہ بخت فرقت زدہ وصلت کے مزے چکھے۔ ہجر و مہجوری کے دن تمام ہوں۔ پھر نئے سرے سے عیش و عشرت کے ایام ہوں۔ یہاں تو دن آہ وزاری میں گذرتا ہے شب کیا آتی ہے رنج والم میں وقت بسر ہوتا ہے ؎

بہر بوئے پیرہن چشم تماشد سفید

آخرش اے ماہ تو یک رہ نظر کن سوئے ما

نواب امیر محل

مخاطب خورشید لقا ١٥٣

اَوَدھ۔ سورج نبسی راجپوتوں کا ملک تھا۔ اکبر کے عہد میں ہندوستان کا صوبہ قرار پایا۔ غازی الدین حیدر کے عہد میں پھر ملک کا درجہ حاصل ہوا لیکن اس کا زیادہ تر حصہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے قبضہ میں تھا۔ ١٨، ١٤٣

بادشاہ بہو۔ بنت سرفراز الدولہ ابن نواب منیرالدولہ کی شادی کیواں قدر مرزا ولی عہد کے ساتھ ١٢٦٧ھ ١٨٥١ء میں ہوئی۔ عروس کی رخصتی نہایت اہتمام سے ہوئی۔ رخصتی کے جلوس میں واجد علی شاہ تاج شاہی اور سرخ لباس زیب تن

Marfat.com

لیے ہوئے اور سب اقربا، ارکانِ دولت بھی لباسِ سرخ پہنے ہوئے ساتھ تھے، اہلِ شہر سے کوچہ و بام لبریز تھے۔ ۱۴۶

باقر علی۔ ملازم شاہی۔ ۱۲۵، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۶۹۔

برجیس قدر۔ مرزا رمضان علی برجیس قدر۔ دیکھئے مرزا برجیس قدر۔ ۱۴۸

برنڈن۔ (Brendon) ایک انگریز تاجر جو واجد علی شاہ کے رفقا میں تھا۔ بادشاہ کی رفاقت کی پاداش میں ریذیڈنٹ سلیمن نے اُسے لکھنؤ سے شہر بدر کرا دیا تھا۔ وہ کانپور میں رہنے لگا تھا۔ ۱۲۰

بنارس۔ ہندو زیارت گاہ۔ اب اس شہر کا نام (VARANASI) ہے۔ ۱۲۰۔

بنگالہ۔ صوبہ بنگال۔ موجودہ مغربی بنگال۔ ۱۲۶

بی حسینی۔ شاہی ملازمہ۔ ۱۲۷

جعفری بیگم۔ ممتوعہ بیگم ۱۵۹۔

جعفری بیگم۔ واجد علی شاہ کی ایک بیگم۔ ۱۴۱، ۱۶۷، ۱۷۳۔

جمال الدین۔ شاہی ملازم۔ ۱۲۵

جنرل گورنر۔ گورنر جنرل۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کا ایک اعلیٰ افسر۔ ۱۱۸

جیمس اوٹرم۔ (James Outram) ۱۲۱۸ھ/۱۸۰۳ء میں پیدا ہوا۔ فوجی تربیت حاصل کرکے ۱۲۳۴ھ/۱۸۱۹ء میں کمپنی کا ملازم ہوا۔ ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء میں اودھ کا ریذیڈنٹ مقرر ہوا۔ ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۷ء میں اودھ کا چیف کمشنر ہوا۔ ۱۲۷۹ھ/۱۸۶۳ء میں لندن میں مر گیا۔ ۱۱۸، ۱۱۹

چتر محل۔ واجد علی شاہ کی یہ بیگم بھی لکھنؤ ہی میں رہیں۔ شیخ تصدق حسین نے بیگماتِ اودھ میں بہت سے تاریخی واقعات خلط ملط کر دیے ہیں۔ انھوں نے چتر محل اور طاؤس بیگم دونوں کو ایک ہی بتایا ہے۔ جو درست نہیں ہے۔ چتر محل اور طاؤس بیگم الگ الگ نام کی دو عورتیں تھیں۔ ۱۵۳

Marfat.com

چھوٹے مرزا۔ بادشاہ کا بیٹا از بطن نواب اختر محل صاحبہ۔ ۱۳۸، ۱۴۹

حاجی قادر بخش۔ شاہی ملازم۔ ۱۲۶

حسب دار خاں۔ شاہی ملازم۔ ۱۲۵

خاص بی بی۔ واجد علی شاہ کی بیاہتا بیوی۔ بیاہتا بیوی کو محل خاص کا رتبہ حاصل ہوتا تھا۔ واجد علی شاہ کی خاص محل نواب عالم آرا بیگم عالم بنت نواب علی تقی خاں بہادر ابن شرف الدولہ ابن مدار الدولہ تھیں۔ واجد علی شاہ نے انھیں بیگم کے نام سے عالم باغ تعمیر کرایا تھا۔ باغ تو اجڑ گیا مگر اس نام کا محلہ لکھنؤ میں بہ طور یادگار موجود ہے۔ عالم آرا بیگم نے ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ مطابق ۳۱ مارچ ۱۸۹۴ء کو ۶۷ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ امام باڑہ سبطین آباد مٹیا برج کلکتہ میں دفن ہوئیں۔ ایک دیوان موسومہ "بیاضِ عشاق" ایک مثنوی بنام مثنوی عالم اور مراثی بہ طور یادگار ہیں۔ نمونۂ کلام سے ۱۲۱، ۱۴۰، ۱۴۶، ۱۶۲

اس نے پیدا کیے ہیں لوح و قلم
تا خطِ بندگی لکھے عالم

اب چلے دور بادۂ اطہر
میرا ساقی ہو ساقیِ کوثر

ہے ید اللہ سے مدعا مطلب
مجھے دستِ سبو سے کیا مطلب

آپ کا غم تو ہے جہاں کا غم
آپ خوش ہوں تو پھر کہاں کا غم

کب تک تری جدائی کے صدمے اٹھائے دل
ہر روز کے ستم کی کہاں تاب لائے دل

Marfat.com

بے وجہ آنکھ آپ نے عالم سے پھیر لی
خونِ جگر نہ آنکھوں سے کیونکر بہائے دل

مراثی

۱- جب جنگ کے میداں میں شہ بحر و بر آئے۔	۵۲ بند
۲- غم میں جو شہ دیں کے حزیں ہوتی تھی صغرا۔	۴۱ "
۳- کیا مرتبۂ بنتِ نبی ہم سے بیاں ہو۔	۵۳ "
۴- خفا کہ قلم بلبلِ بستانِ سخن ہے۔	۵۲ "
۵- چھوٹ کر شام سے یثرب سے جو آئے قیدی۔	۳۰ "
۶- آئے جس وقت اسیرانِ عرب کوفے میں۔	۳۳ "
۷- اے مومنو صغرا پہ عجب رنج و بلا ہے	۱۶ " ۱۲۷۸ھ
۸- علی اصغر موئے جب تیر کھا کر	۳۲ بند
۹- شبیر سے جب رن میں جدا ہو گئے اکبر	۳۵ " ۱۲۳۱ھ
۱۰- جب ہر بپا ہوا خیمہ حسینؑ کا۔	۲۰ بند ۱۲۷۱ھ
۱۱- ہے افتخار کون و مکاں مرتضیٰ علیؑ	۲۴ بند
۱۲- سجاد کو جب حکم ہوا اہلِ ستم کا	۴۱ " ۱۲۷۰ھ

[نوٹ:- نمبر ۱ اور نمبر ۱۱ کے مراثی راجہ صاحب محمود آباد کے کتب خانے میں ہیں۔ باقی مراثی نواب شمس آباد، فرخ آباد کے کتبخانہ میں ہیں۔]

بادشاہ جب قلعہ فورٹ ولیم میں قید تھے تو خاص محل نے انھیں کئی خط لکھے۔ ایک خط ملاحظہ ہو:

مسند آرائے محافل ولا صدر نشین مجالس صدق و صفا گوہر دریائے آشنائی اختر آسمان دلربائی سلیمان حشم خسرو دیہم ادام اللہ شوکتہ

Marfat.com

تھی آرزو نہ قدموں سے تا مرگ ہوں جدا
پر کیا کروں نصیب نے تجھ سے چھڑا دیا
(عالم)

ہر سپہر بے وفائی بہت ہو چکی کج ادائی ؎
کیا جو قید سے تو نے مجھے رہا صیّاد
بتا تو کون سی مجھ سے ہوئی خطا صیّاد
(عالم)

غیروں کا کیا گلہ ہے سچ تو یہ ہے کہ اپنا ہی طالع کجی پر آرہا ہے نہ کوئی مونس ہے نہ رفیق ہے۔ نہ عزیز ہے۔ وطن غیر میں بھی وہی اگلی سی نفرت آپ کو دلپذیر ہے۔ کبھی تو قریب ہوتے ہوئے صورت دکھا دیا کرو۔ اب مفارقت شاق ہے۔ سرکار عالم آپ کے دیکھنے کا بے حد اشتیاق ہے ؎

پھر شوق سے حضور سنا لیتے گالیاں
ثابت کیا تو ہوتا ہمارے قصور کو

مغلانی سے بار بار کہلایا۔ مگر کوئی جواب نہیں آیا ؎

آنکھوں سے یم اشک سدا بہتے ہیں
کس سے کہیں دل پر جو الم سہتے ہیں
کرتے ہیں جلا جلا کے عاشق کو یہ خاک
ثابت کب قول پر حسین رہتے ہیں
یاد رخ گیسو میں سدا ہم نے بسر کی
رو رو کے کبھی شام کی اور گاہ سحر کی
(عالم)

جواب کی طالب
بادشاہ محل متخلص بہ عالم

Marfat.com

خاقان محل - واجد علی شاہ کی بیگم - ۱۴۹-

خجستہ محل - واجد علی شاہ کی بیگم - ۱۴۱، ۱۵۹، ۱۷۳

خرد محل - واجد علی شاہ کے ساتھ کلکتہ نہ جا سکیں۔ خرد محل اپنے ایک خط میں بادشاہ کے پاس جانے کا اظہار اس طرح کرتی ہیں:

کیا یاد آئے گا یہ چمن روزگار کا
دیکھا نہ آنکھ سے کبھی موسم بہار کا

ہر سپہر یک رنگی ماہ سیمائے دل تنگی میدان دلربائی ملاح دریائے آشنائی مہر گستری مادام گو ہر مراد ہمکنار بادے

اس چرخ نے طفلی ہی سے دیوانہ بنا کر
مجنوں کی طرح مجھ کو دلستاں سے نکالا

مجھ رنجور کو جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے تھے کہ فلک نے ستایا اور رنجور بنایا۔ چند روزہ بھی صحبت میسّر نہ آئی۔ قسمت نے یہ جدائی کی صورت دکھائی۔ دل بے قرار ہے سینہ فگار ہے، دل صدمہ ہجر سے بے ہوش ہے، دنیا اور مافیہا سے بالکل فراموش ہے، زندگی کا قصہ تمام ہے، ملک الموت کا پیام ہے ہر دم نالہ و آہ ہے۔ یہی کام ہے، دن یہی چین ہے یہی آرام ہے

وحشتِ طبع روز افزوں ہے
حال دل کا مرے دگرگوں ہے

اگر وصل ہو تو آرام پائیں گے ورنہ گور میں چلے جائیں گے۔ بلانے کا انتظام کیجئے اور خط کے جواب سے دل شاد کام کیجئے۔

راقمہ خرد محل

صفر ۱۲۷۲ھ ۱۵۳

دلدار محل - واجد علی شاہ کی بیوی۔ کلکتہ میں ۳ رجب ۱۲۷۵ھ ۱۸۵۹ء کو انتقال کیا۔

Marfat.com

بادشاہ نے پچیس[۲۵] ہزار روپیہ صرف کر کے مقبرہ تعمیر کرایا۔ ۱۴۸
دیانت الدولہ۔ حبشی خواجہ سرا۔ واجد علی شاہ کا مصاحب خاص تھا۔ فوج شاہی کے رسالوں "بانکہ"، "اختری" اور توپ خانہ "ہوہی کدا" (یہ نام زبان حبش کا ہے) کا افسر اعلیٰ تھا۔ عہد شاہی میں بادشاہ نے دیانت الدولہ سے فرمائش کی کہ حضرت امام حسینؑ کے روضہ کی نقل تعمیر کراؤ۔ دیانت الدولہ نے ۱۲۶۸ھ / ۱۸۵۲ء میں کربلا کی تعمیر شروع کرائی۔ اس موقع پر سید آغا علی شمس نے یہ تاریخ کہی ؎

چاہی جب نقل کربلا کی تاریخ
قول بانی کا شمس کو یاد آیا
عرض یہ ہے دیانت الدولہ کی
نذر عاجز قبول ہو یا مولا = ۱۲۶۸ھ

دو سال کی مدت میں کربلا بن کر تیار ہوئی۔ صولت نے تاریخ کہی ؎

چوں جناب دیانت الدولہ
ساختہ روضۂ امام مجید
مصرع سال کرد صولت نظم
بکربلا مقتل حسینؑ شہید = ۱۲۷۰ھ

واجد علی شاہ مذکورہ کربلا کی زیارت کو تشریف لے گئے، بادشاہ کربلا کی شان و شوکت اور آراستگی و پیراستگی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے دیانت الدولہ سے فرمایا "تم نے اپنی کمائی کی جو دولت اس کربلا پر صرف کی ہے۔ اس سے تمھیں دنیا اور عقبیٰ دونوں میں فائدہ حاصل ہوگا" لکھنؤ میں یہ کربلا دیانت الدولہ کے نام کو آج بھی باقی رکھے ہوئے ہے۔

کلکتہ میں جب بادشاہ قید ہوئے تو دیانت الدولہ کچھ دن تو باد شاہ

Marfat.com

کے ساتھ قید خانہ میں رہا۔ بعد میں عتبات عالیات کی زیارت کا بہانہ کرکے قید خانہ سے رخصت ہوا۔ زیارت سے مشرف ہوکر پھر کلکتہ آیا۔ بادشاہ رہا ہو چکے تھے۔ باریاب شرف ملازمت ہوا۔ دیانت الدولہ نے سنہ ۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء میں کلکتہ میں انتقال کیا۔ لاش بذریعہ ریل لکھنؤ لائی گئی۔ ممتاز العلما فخر المدرسین سید محمد تقی مجتہد متوفی سنہ ۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اپنی ہی کربلا میں سپرد خاک ہوا۔ ہر ماہ کی پانچویں تاریخ کو کربلائے دیانت الدولہ میں میر خورشید علی نفیس متوفی سنہ ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۱ء مرثیہ پڑھتے تھے۔ سامعین کا ہجوم کثرت سے ہوتا تھا۔ تل رکھنے کی جگہ نہ ملتی تھی۔ ۱۲۳، ۱۳۰، ۱۳۲

دیہیم آرا۔ واجد علی شاہ کی دختر از بطن نواب سلطان بیگم۔ ۱۵۱

ذوالفقار الدولہ۔ سید محمد سجاد علی خاں نبیرہ میر انشاء اللہ خاں انشا۔ فوج شاہی کے افسر اور واجد علی شاہ کے نسبتی بھائی یعنی نواب نشاط محل صاحبہ کے بھائی۔ ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۴۔

ڈلہوسی صاحب۔ (Marquess of Dalhousie) سنہ ۱۲۶۴ھ / ۱۸۴۸ء میں ۳۸ سال کی عمر میں گورنر جنرل ہوکر ہندوستان آیا۔ اس کے حوصلے بہت بلند تھے۔ اس نے اپنے عہد میں نہایت سرعت کے ساتھ دیسی ریاستوں کو ختم کرنا شروع کیا۔ اسی لیے اس کا نام ریاست خور پڑ گیا۔ انگریزی مفاد میں اس نے اس قدر دوڑ دھوپ کی کہ بیمار رہنے لگا۔ خرابی صحت کی وجہ سے اس کو مجبوراً عہدہ سے سبکدوش ہونا پڑا۔ ۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۶ء میں ڈلہوزی اپنے وطن واپس چلا گیا۔ سنہ ۱۲۷۶ھ / ۱۸۶۰ء میں صرف چالیس سال کی عمر میں مر گیا۔ ۱۱۸، ۱۲۸۔

راجہ۔ راجہ بنارس۔ ایشوری پرساد نراین سنگھ۔ ۱۲۰۔

راحت السلطان۔ شاہی ملازمہ۔ ۱۲۷۔

رافت آرا۔ واجد علی شاہ کی بھتیجی۔ سکندر حشمت کی دختر۔ ۱۲۷۔

Marfat.com

رشک محل - واجد علی شاہ کی بیگم - ۱۴۸ -

سارجن میجر - کمپنی کا ایک ملازم انگریز جس نے نشہ کی حالت میں بادشاہ کی بہت بے عزتی کی تھی - ۱۳۲ -

سپہر آرا - سپہر آرا کبری بیگم از بطن نواب سلیمان محل صاحبہ - واجد علی شاہ کی اس دختر کا عقد عظمت الدولہ معظم الملک سید محمد رضا خاں ابن مرزا ابو القاسم ابن ابو طالب خاں ابن مرزا فخر الدین محمد متولی روضۂ حضرت امام رضا علیہ السلام مشہد مقدس کے ساتھ ۱۲۶۶ھ / ۱۸۵۶ء میں ہوا تھا۔ سپہر آرا بیگم کے اکلوتے صاحبزادے نواب افتخار الدولہ تھے - ان کی شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی تھی مگر عین عالم شباب میں فوت ہو گئے۔ اپنے باپ نواب عظمت الدولہ کی کربلا میں دفن ہوئے۔

ان کی لوح قبر پر یہ تاریخ ثبت ہے ؎

ہے یہ دنیا مقام نالہ و آہ
گھر اجل نے کیے ہیں لاکھوں تباہ
بند آنکھیں کیے ہیں سب جاتے
ہے کھلی رات دن عدم کی راہ
وارثِ عظمت سلیمانی
قرۃ العین خاص شاہنشاہ
اختر برج دختر سلطاں
شاہ واجد علی ستارہ سپاہ
فخر جد و پدر مہابت جنگ
زائر تاج دار عرش پناہ
نام سید محمد اور باقر

Marfat.com

ذی نسب منتخب مثال ماہ

جمعہ دسویں ربیع آلآخر تھی

سوئے جنت سفر کیا ناگاہ

عین وقت زوال رحلت کے

ہوا مہر شباب شام سیاہ

مصرعۂ سال سے گرا سر اشک

گوہر انتخاب اوج و جاہ

(۱۳۱۰ - ۱ = ۱۳۰۹)

= ۱۳۰۹ھ

نواب افتخار الدولہ کی اکلوتی بیٹی نواب سکندر آرا آمنہ بیگم تھیں جو پرنس مرزا جمشید قدر عرف نواب بنّے صاحب کو منسوب تھیں۔ نواب سکندر آرا جب تک زندہ رہیں دادی کی ڈیوڑھی کی روایات قائم رہیں۔ ان کے زمانہ تک ڈیوڑھی پر گھنٹہ رہا۔ ۲۷ رجب کو ہزاری روزہ کے دن شام کو نذر ہوتی تھی جس میں بلامبالغہ ایک امرتی پلیٹ کے برابر ہوتی اور ہر قاب ایک بڑی امرتی سے بھری رہتی تھی۔ موصوفہ نے ۱۳۵۸ھ ۱۹۳۹ء میں انتقال کیا۔ تین اولادیں بطور یادگار چھوڑیں۔ ایک لڑکا منیر الدولہ دلاور حسین خاں متوفی ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۶۵ھ مطابق ۲ اپریل ۱۹۴۶ء۔ نواب منیر الدولہ دلاور حسین کے صاحبزادے سردار حسین خاں عرف لجّن نواب صاحب آج کل عظمت الدولہ کی کربلا کا مقدمہ لڑ رہے ہیں۔ دو لڑکیوں میں ایک شوکت آرا حسینی بیگم متوفہ ۲۴ محرم ۱۳۹۶ھ مطابق ۲۷ جنوری ۱۹۷۶ء جو سات سودالی کے صاحبزادے نواب حضور عالم صاحب متوفی ۲۰ شعبان ۱۳۴۰ھ مطابق ۲۳ جون ۱۹۲۱ء کو منسوب تھیں۔ دوسری حشمت آرا رقیہ بیگم ہیں۔ نواب موسیٰ رضا صاحب کو منسوب ہیں۔ اور ڈیوڑھی نواب عظمت الدولہ

Marfat.com

میں رہتی ہیں۔ ۱۴۹۔

سپہر آرا۔ واجد علی شاہ کی دختر از بطن نواب خاقان محل۔ ۱۴۹۔

سکندر حشمت۔ واجد علی شاہ کے چھوٹے بھائی۔ ۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۶ء میں سلطنت کی واپسی کے لیے لندن گئے۔ وہیں ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۷ء میں انتقال کیا۔ لاش لندن سے پیرس (PARIS) لائی گئی۔ ماں کے پہلو میں دفن کیے گئے۔ ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۳۷۔

سلطان محل۔ نواب سلطان جہاں محل صاحبہ لکھنؤ میں مقیم رہیں۔ ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۷ء کی جنگ میں نواب سلطان محل صاحبہ نے اپنے داروغہ میر واجد علی کے کہنے پر کچھ انگریز عورتوں کو اپنے یہاں پناہ دے کر ان کی جانیں بچائی تھیں۔ اس لیے وہ انگریزوں کی نگاہ میں سرخرو ہوئیں۔ بعض مورخین کا کہنا ہے کہ نواب سلطان محل صاحبہ کی داروغہ میر واجد علی سے آشنائی تھی۔ اس سلسلے میں انھوں نے ایک خط واجد علی شاہ کو لکھا تھا جو قابلِ غور ہے:

مجنوں کا دل ہوں محمل لیلیٰ سے ہوں جدا
تنہا پھروں ہوں دشت میں جوں نالۂ جرس

دوائے دردمندانِ الفت واتحاد شفائے مستمندان محبت و داد کلید گنجِ سپہرِ وفا خورشید مطلع صدق و صفا جانِ عالم ہمیشہ سربلند رہو۔

چمن کا نام سنا تھا ولے نہ دیکھا ہائے
جہاں میں ہم نے قفس ہی میں زندگانی کی

حضرت عشق کا عمل ہے۔ تشنہ لبی ہے۔ گریہ نیم شبی ہے۔ آنکھوں میں دریا کی روانی ہے۔ جسم زار کی ناتوانی ہے۔ موج اشک نے کشتی چرخ کو ڈبو دیا۔

حضرت عشق نے دونوں جہاں سے کھو دیا۔

Marfat.com

شکوہ کیا کیجیے ناتوانی کا۔ کھو دیا لطف زندگانی کا

لوگوں نے مجھ رنجور پر اتہام باندھے حضور کو بھی یقین آگیا۔ حضرت عباس علمبردار کی سوگند میں آپ کا نام لیے بیٹھی ہوں۔ نہ غم خوار ہے نہ دمساز ہے صرف آپ کی یاد ہے ؎

رفتہ رفتہ ہوئی ہوں سودائی۔ دور پہنچی گی میری رسوائی

بخدا آپ کی تپ جدائی سے بہت تباہ حال ہے۔ ضعف کے باعث آہ تو آہ سانس لینا بھی محال ہے۔ تمنائے ہم آغوشی میں دونوں ہاتھ پھیلے ہوئے ہیں ؎

درد فرقت نے ہم کو مارا ہے
ستم چرخ آشکارا ہے

رفیمہ سلطان جہاں محل

۱۵ محرم الحرام ۱۲۶۲ھ

واجد علی شاہ جب ولی عہد تھے اس وقت بھی بعض حاسدوں نے سلطان محل پر بے وفائی کا الزام لگایا تھا۔ سلطان محل نے جب اس بہتان کو سنا تو تین دن تک روتی رہیں اور کھانا پینا بھی چھوڑ دیا۔ ایک دن ولی عہد کی مہر جڑاؤ کے نگینہ کو گرم کر کے اپنی ران پر تین جگہ داغا، یہاں تک کہ مہر کے تمام حروف ران کے گوشت میں پیوست ہو گئے۔ لنگڑاتی ہوئی ولی عہد کے حضور گئیں۔ انھوں نے لنگڑانے کی وجہ پوچھی۔ سلطان محل نے ولی عہد کی مہر واپس کرتے ہوئے کہا "اے جان عالم، قربان جاؤں۔ تم نے مجھے بے وفاؤں کے زمرے میں شمار کیا تھا، دیکھو میری ران کی کیا حالت

Marfat.com

ہے " ولی عہد سلطان محل کی ران پر اپنی مہر کے تمام حروف کو مثل آفتاب درخشاں دیکھ کر بہت شرمندہ ہوئے اور معافی مانگی۔

نواب سلطان جہاں محل صاحبہ لکھنؤ کی مشہور مہندی کے جلوس کی بانیہ تھیں۔ مہندی کا یہ جلوس ہر سال محرم کی ساتویں تاریخ کو نخاس سے اٹھ کر امام باڑہ داروغہ میر واجد علی گولہ گنج جاتا تھا۔ راقم الحروف نے مذکورہ جلوس کو اپنی قدیم روایات و لوازم کے ساتھ ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء تک اٹھتے دیکھا۔ اس کے بعد سرکار کی طرف سے جلوس ہائے عزا پر پابندی عاید ہو گئی۔ لہٰذا مہندی کا یہ جلوس بھی ملتوی ہے۔ افسوس شیعہ سنّی تنازع نے لکھنؤ کی قدیم روایات کا گلا گھونٹ دیا۔ ۱۵۳۔

سلیمان محل۔ واجد علی شاہ کی یہ بیگم لکھنؤ ہی میں مقیم رہیں۔ ۱۴۹۔

سیّدہ محل۔ واجد علی شاہ کی بیگم۔ ۱۵۴۔

شہریار بہو۔ واجد علی شاہ کے بڑے لڑکے نوشیرواں قدر مرزا محمد حیدر علی کی زوجہ اور اکرام الدولہ حسین علی خاں نبیرۂ مدارالدولہ کی دختر۔ ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۱ء میں علی نقی خاں کی فہمائش پر یہ شادی ہوئی تھی۔ شہریار بہو میکہ ہی میں رہیں کیونکہ شہزادہ موصوف مجنون تھے اور آرسی مصحف کی رسم جب ادا ہو رہی تھی تو نوشاہ نے دلہن کی نتھ نوچ کر اس کو مجروح کر دیا۔ دلہن بیہوش ہو گئی۔ اس واقعہ کی وجہ سے رخصتی نہ ہو سکی۔ ۱۴۶۔

شہنشاہ محل۔ واجد علی شاہ کی بیگم۔ ۱۵۳۔

شیدا بیگم۔ واجد علی شاہ کی ایک چہیتی بیگم۔ لکھنؤ میں رہیں۔ ان کے تو تُو نامے بہت مشہور ہیں۔ شاعرہ بھی تھیں۔ بہ طور نمونہ کلام ان کا ایک منظوم خط ملاحظہ ہو جو انھوں نے واجد علی شاہ کو کلکتہ بھیجا تھا۔

ساقی ہو صحنِ باغ ہو ابر بہار ہو　　پہلو میں تم ہمارے بعزّ و وقار ہو
ساون کا تو مہینہ ہو اور دن ڈھلا ہو　　اور ننھی ننھی بوندوں کی پڑتی پھوار ہو

Marfat.com

جھولا پڑا ہوا کسی شاخ نخل میں — ایک سمت خوش گلو کوئی گاتا ملار ہو
کوئل کہو کہو کی صدا دے ہر ایک بار — ٹپکا لگا ہو آنبہ کا فصل بہار ہو
اس وقت بول اٹھے جو پپیہا کہ پی کہاں — اک تیر عاشقوں کے کلیجہ کے پار ہو
بنگلہ صنوبری کھلی صحن میں ہو وہ پڑا — فردوس جس کے دیکھنے سے شرمسار ہو
جز گفتگوئے راز نہ کچھ ہو خیال اور — باتوں کی چھیڑ چھاڑ ہو بجتا ستار ہو
مہندی ہو ہاتھوں پاؤں میں اپنے رچی ہوئی — اور عطر میں بسا ہوا ہر تار تار ہو
جوبن وہ تم پہ ہم پہ ہو اس وقت نور کا — حور و پری بھی آن کے جن پر نثار ہو
خالی ہو بزم وصل نہ ہو واں پہ غیر کا — دل خوب کھول کھول کے پوس و کنار ہو
لب پر جو لب دھرے ہوں تو ہاتھوں میں ہاتھ ہو — سینہ ملا ہو سینے سے دل کو قرار ہو

شیدا تمھاری آٹھ پہر رہتی ہے ملول
اب دیکھئے یہ آرزو کب آشکار ہو ۱۵۰۔

صاحب۔ ریزیڈنٹ ۔ جنرل اوٹرم سے مراد ۔ ۱۱۹۔

صاحب عالم فریدوں قدر: از بطن ملکۂ ملک ۔ کیواں قدر مرزا حامد علی کی وفات کے بعد واجد علی شاہ نے فریدوں قدر کو نظر انداز کر کے مرزا خوش بخت بہادر کو جو اختر محل کے بطن سے تھے ولی عہد مقرر فرمادیا۔ یہ امر فریدوں قدر کو نہایت شاق گزرا۔ ۱۲۹۳ھ ۱۸۷۶ء میں مرزا خوش بخت کا بھی انتقال ہو گیا۔ بادشاہ نے اس عہدے کو نامسعود خیال کر کے ختم کر دیا۔ بادشاہ کو متواتر کئی بیٹوں کی مفارقت کے غم کو برداشت کرنا پڑا۔ انھوں نے اولاد اور شاہی کی محرومی کے اس غم کو نہایت دلدوز انداز میں ایک مرثیہ کے بند میں یوں نظم کیا ہے ؎

بیٹے کی جدائی سے ہے کچھ باپ ہی آگاہ
اولاد کا غم دے نہ کسی باپ کو اللہ
ابر الم و یاس میں پوشیدہ نہ ہو ماہ

Marfat.com

دنیا میں الگ تخت سے ہوئے نہ کوئی شاہ

فرزند کے ماتم میں گذر جانا ہے بہتر

اس زندگی سے دہر میں مرجانا ہے بہتر

مرزا خوش بخت کی موت کے بعد بادشاہ کو یہ اطلاع ملی کہ مرزا خوش بخت کی موت میں فریدوں قدر کا ہاتھ تھا۔ یہ بات نہایت بارِ خاطر ہوئی۔ انھوں نے فریدوں قدر کی تنخواہ موقوف کر دی۔ فریدوں قدر نے انگریزوں سے بادشاہ کی شکایت کی۔ انگریز تو ایسے مواقع کی تلاش ہی میں رہتے تھے۔ انھوں نے چار ہزار روپیہ فریدوں قدر اور ایک ہزار روپیہ ملکہ ملک کے مقرر کر دیے اور یہ پانچ ہزار روپیہ بادشاہ کے گذارے سے وضع ہو کر ان دونوں کو ملنے لگا۔ بادشاہ نے ناراض ہو کر ملکہ ملک کو طلاق دے دی اور فریدوں قدر کو عاق کر دیا۔ فریدوں قدر صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ ان کے دیوان کا تاریخی نام "جودتِ تعشق" ہے۔ ۱۴۷۔

صفدر ۔ ملازم شاہی ۔ ۱۷۲۔

طبیب الدولہ ۔ شاہی حکیم ۔ ۱۲۴، ۱۴۴۔

طورؔ ۔ مرزا محمد رضا نام۔ طورؔ تخلص۔ ناسخؔ کے شاگرد۔ درباری شاعر۔ طورؔ کے نوحے اور سلام بہت مشہور ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ طورؔ ہی نے سب سے پہلے یہ فریادی ماتم کہا تھا ؎

اے کُل کے مددگار مدد کرنے کو آؤ

فریاد کو پہنچو

یہ نوحہ گھر گھر اس قدر مقبول ہوا کہ بہت سے شعرا نے اسی زمین میں اس نوحہ کو نظم کیا۔ آج بھی شیعہ گھروں میں مشکل گھڑی کے وقت مذکورہ نوحہ پڑھا جاتا ہے۔ طورؔ کے ایک

Marfat.com

سلام کے چند اشعار بہ طور نمونۂ کلام پیش ہیں ؎

بیاں کرتی تھی کبرا اے میرے رشک قمر دولھا
ہوا پامال گھوڑوں سے تیرا تن سیم بر دولھا
لعین در ور بھرا تے کس طرح ایک دن کی بیاہی کو
جو کوئی کاٹ لیتا بتیرے بدلے میرا سر دولھا
وطن میں جا کے کیا ہمجولیوں کو منہ دکھاؤں گی
تمھاری قبر پر بیٹھی رہوں گی عمر بھر دولھا
کروں گی میں نہ اب کنگھی نہ بدلوں گی کبھی کپڑے
رہوں گی پہنے رنڈ سالے کا جوڑا عمر بھر دولھا
لعین اب شام لے جائیں گے ہم کو اے بنے قاسم
کھلے سر ہیں تو پیچھے ہوں گی آگے تیرا سر دولھا
سوائے آرسی مصحف نہ صورت دیکھنے پائے
نہایت جلد باندھی تم نے مرنے پر کمر دولھا
جگر شق ہوتا تھا اے طور کبرا جب یہ کہتی تھی
میرے والی میرے وارث میرے رشک قمر دولھا ۱۲۴

عاشق سلطان ۔ واجد علی شاہ کی بیگم ۔ ۱۴۰۔

عبدالرزاق ۔ ملازم شاہی ۔ ۱۲۶۔

عظمت الدولہ ۔ واجد علی شاہ کے داماد ۔ دیکھئے سپہر آرا ۔ ۱۴۹۔

علی نقی خاں ۔ ابن محمد علی خاں ابن مدار الدولہ ۔ اودھ میں مدار الدولہ کا خاندان بہت ذی عزت تھا ۔ مدار الدولہ کی ایک دختر نواب سعادت علی خاں کو منسوب تھی ۔ واجد علی شاہ جب ولی عہد تھے تو علی نقی خاں ان کے مقرب خاص تھے ۔ علی نقی خاں کی چندیا پر بال کم تھے ۔ ایک دن جان عالم نے مذاقاً فرمایا کہ نواب صاحب

Marfat.com

سر پر بالوں کا کم ہونا وزارت کی علامت ہے۔ اس پر علی نقی خاں نے کہا کہ حضور کے تصدق میں یہ بھی ہو جائے گا۔ یہ بات جان عالم کے دل میں گھر کر گئی۔ ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۷ء میں واجد علی شاہ نے علی نقی خاں کو وزیر اعظم کے عہدے پر فائز کیا اور مدار الدولہ ثانی کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔ عہد شاہی میں علی نقی خاں خاص و عام میں بے حد ہر دل عزیز تھے۔ میر ضمیر ان کی مدح میں فرماتے ہیں ؎

نواب ہے محسن مرا آباد رہے یہ
ہم نامِ علی اور نقیؔ شاد رہے یہ

لیکن انتزاع سلطنت کے بعد اس کے بالکل برعکس صورت ہو گئی۔ ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء میں جب علی نقی خاں بادشاہ کے پاس کلکتہ جانے لگے اور سواری محلسرا سے جیسے ہی سڑک پر آئی عوام نے نہایت نازیبا کلمات سے مخاطب کیا۔ موصوف نے صبر کیا اور گردن جھکائے گاڑی میں بیٹھے رہے۔ کانپور تک عوام کا یہی ردِ عمل رہا۔ ۲۱ رمضان ۱۲۸۷ھ مطابق ۲ دسمبر ۱۸۷۰ء کو مبتلائے ہیضہ ہو کر لکھنؤ میں انتقال کیا۔ تحسین گنج میں وزیر موصوف کی عالیشان محلسرا تھی۔ ۱۱۸، ۱۲۱، ۱۳۸۔

فتح الدولہ۔ میرزا محمد رضا خاں نام، فتح الدولہ خطاب، برقؔ تخلص، میرزا کاظم علی مجتہد متوفی ۱۲۴۸ھ/۱۸۳۳ء کے بیٹے، ناسخ کے شاگرد، واجد علی شاہ کے استاد اور فوج شاہی کے رسالے قاآنی کے افسر تھے۔ واجد علی شاہ کا مرتے دم تک ساتھ دیا۔ قید خانہ کی سختیوں سے صحت خراب ہو گئی۔ ۲۸ صفر ۱۲۷۴ھ مطابق ۱۷ اکتوبر ۱۸۵۷ء کو انتقال کیا۔ برقؔ بادشاہ کے ہمراہ لکھنؤ سے رخصت ہو رہے تھے تو اکثر دوستوں سے کہتے تھے کہ میری مشتِ استخواں مشتاقِ خاک کلکتہ ہو رہی ہے۔ میرزا احمد سوداگر کے امام باڑہ میں سپرد خاک ہوئے۔ ۱۲۶۶ھ/۱۸۵۰ء میں اودھ کے سابق وزیر اعظم نواب

Marfat.com

امین الدولہ امداد حسین خاں متوفی ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۶ء نے حضرت عباس کے روضے کی نقل دریا گنج لکھنؤ میں تعمیر کرائی۔ برق نے قطعہ تاریخ کہا ہے

کرد تعمیر چو نواب امین الدولہ / مرقد پاک علمدار شہ عرش مقام
برق تاریخ رقم کرد بامداد حسین / شد بنا مشہد عباسؑ علمدار امام (۱۲۶۶ھ)

برق کا یہ قطعہ آج بھی اس روضہ کی زینت ہے اور بانیٔ کربلا کے ساتھ برق کی یاد کو بھی تازہ کیے ہوئے ہے۔ ۱۳۰، ۱۳۵، ۱۷۴۔

فخر محل ۔ واجد علی شاہ کی بیگم اور پرنس مرزا قمر قدر بہادر کی والدہ۔ ۱۴۸، ۱۵۳

فرانس ۔ ملک فرانس۔ اس ملک کے شہر پیرس میں واجد علی شاہ کی والدہ، بھائی اور بھتیجی مدفون ہیں۔ ۱۳۷۔

فغفور بہو ۔ علی نقی خاں کی بیٹی اور صاحب عالم فریدوں قدر کی بیوی۔ ۱۴۷۔

قبول ۔ مرزا مہدی علی خاں نام، مقبول الدولہ خطاب اور قبول تخلص۔ کنیز الدولہ احمد علی خاں کے بیٹے، مجدالدولہ رمضان علی خاں کے پوتے اور ظفرالدولہ کپتان فتح علی خاں کے پرپوتے تھے۔ نواب سعادت علی خاں کے عہد سے اسی خاندان کے افراد افسر خزانہ کے منصب پر مامور ہوا کرتے تھے۔ سلطان عالم واجد علی شاہ کے عہد میں بھی اس جگہ پر مفتاح الدولہ محمود علی خاں فائز تھے۔ قبول ناسخ کے شاگرد تھے۔ ان کا ضخیم دیوان اور ایک مذہبی مثنوی "ذکر المعصومین" چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ قبول نے مرثیے بھی کہے ہیں۔ نواب شمس آباد کے کتب خانہ میں قبول کے مندرجہ ذیل مراثی موجود ہیں۔

۱۔ اے مومنو تم عاشق شاہ شہدا ہو۔ ۳۶ بند
۲۔ بلوایا البنین کو جب میر شام نے۔ ۳۵ بند
۳۔ جب تیغوں سے تن شہ دیں چور ہو گیا۔ ۳۵ بند
۴۔ خلق رسول خلق خدا ہر مدام تھا۔ ۲۷ بند

Marfat.com

قبول نے لکھنؤ میں ۱۲۷۶ھ / ۱۸۶۰ء میں انتقال کیا۔ (بشکریہ سید سلیمان حسین) ۱۶۴

قمر احسن مرزا۔ واجد علی شاہ کا بیٹا از بطن نواب مہدی بیگم صفحہ ۱۴۸،

قلق ــــ خواجہ اسد علی نام، آفتاب الدولہ خطاب، قلق تخلص۔ ان کے والد کا نام خواجہ بہادر حسین فراق تھا۔ خواجہ وزیر سے اصلاح لیتے تھے۔ بعد زوال سلطنت بادشاہ کے ہمرکاب کلکتہ گئے تھے۔ اور انھیں کلکتہ پہنچا کر لکھنؤ واپس چلے آئے۔ بعد کو یہ رام پور چلے گئے، وہیں ۲۷ ذیقعد ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۳ نومبر ۱۸۷۹ء کو انتقال کیا۔ قلق کی مثنوی "طلسم الفت" لکھنؤ کی بہترین مثنویوں میں سے ہے۔ ۱۶۴۔

(بشکریہ ڈاکٹر سید سلیمان حسین صاحب)

قیصر بیگم۔ واجد علی شاہ کی ایک خاص ملازمہ۔ ۱۴۰، ۱۷۳۔

کاظم علی۔ ملازم شاہی۔ ۱۴۴۔

کالن ــــ (COLIN) انگریز۔ داروغہ فورٹ ولیم۔ ۱۴۳۔

کانپور۔ کانپور۔ یہ شہر بھی اودھ کے علاقوں میں شامل تھا۔ نواب آصف الدولہ کے عہد میں انگریز قابض ہو گئے۔ ۱۲۰۔

کربلا ــ امام حسینؑ کا روضہ۔ ملک عراق۔ ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۶۰۔

کربلائی۔ شاہی ملازمہ۔ ۱۲۷، ۱۳۴۔

کریم بخش۔ شاہی ملازم۔ ۱۲۶۔

کلکتہ۔ صوبہ بنگال کا علاقہ۔ اس شہر کو ایسٹ انڈیا کمپنی نے بسایا۔ آج اس شہر کی آبادی تقریباً ایک کروڑ ہے۔ ۱۲۸، ۱۴۰، ۱۴۳، ۱۴۹، ۱۵۹

کننگ صاحب۔ گورنر جنرل لارڈ کیننگ (LORD KENNING) ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۶ء میں لارڈ ڈلہوزی کی جگہ لارڈ کیننگ گورنر جنرل ہوا۔ ۱۲۸،

کونیا۔ (KONEYA) انگریز (TOWN MAJOR) ۱۱۵۔

Marfat.com

کیواں قدر۔ ولی عہد۔ از بطن خاص محل۔ کوکب تخلص۔ مظفر علی ہنر کے شاگرد۔ صاحب دواوین شاعر۔ متوفی ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء۔ ۱۴۶۔

گورا۔ انگریز سپاہی۔ ۱۴۳۔

لاٹ صاحب۔ گورنر جنرل سے مراد۔ ۱۱۹، ۱۴۳، ۱۴۵، ۱۴۴،

لندن۔ انگلستان کا دارالسلطنت۔ ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۳۶، ۱۷۲،

مجاہدالدولہ۔ مجاہدالدولہ سیف الملک زین العابدین خاں جلاوت جنگ ابن محمد رضا خاں ابن مرزا کمال الدین حیدر ابن شجاع الدولہ۔ امۃ الصغرٰ فخر النساء بیگم عرف مغل صاحبہ بنت حضرت محمد علی شاہ کے شوہر۔ نہایت خوبصورت آدمی تھے۔ جب سواری نکلتی تھی تو تماشائیوں کے ٹھٹھ لگ جاتے تھے۔ ۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۶ء میں جب اوٹرم سلطنت کی ضبطی کا پروانہ لے کر آیا اور یہ خبر مجاہدالدولہ کو ملی، فوراً اپنے جانثاروں کے ہمراہ انگریزوں سے جنگ کرنے کے لیے نکل پڑے مگر واجد علی شاہ نے لڑنے سے روک دیا۔ بادشاہ کے ساتھ کلکتہ چلے گئے۔ ۱۴۳، ۱۲۹، ۱۷۲،

محمد جان۔ شاہی ملازم۔ ۱۲۵۔

محمد شبیر خاں۔ شاہی ملازم۔ ۱۲۶، ۱۴۴۔

محمدی خانم۔ شاہی ملازمہ۔ ۱۲۷

مرزا برجیس قدر۔ ولادت ۱۲۶۱ھ / ۱۸۴۵ء۔ وفات ۱۳۲۱ھ / ۱۹۰۳ء۔ پہلی جنگ آزادی کے سربراہ۔ اودھ کے آخری اور عوامی بادشاہ۔ از بطن بیگم حضرت محل پہلی جنگ آزادی کی ہیروین متوفیہ ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۹ء۔ مرزا برجیس قدر کی پیدائش کے وقت شاہی نجومیوں نے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ یہ لڑکا تخت و تاج کا وارث ہوگا۔ اُس وقت نجومیوں کی بات پر کسی نے دھیان نہیں دیا کیونکہ مرزا برجیس قدر واجد علی شاہ کے چوتھے بیٹے تھے۔ ان کے دو بیٹے خاص محل سے اور ایک ملکہ ملک سے تھا مگر یہ تینوں بیٹے بادشاہ

Marfat.com

کی حیات ہی میں وفات پا گئے۔ اگر سلطنت اودھ قائم رہتی تو واجد علی شاہ کے بعد مرزا برجیس قدر ہی اودھ کے بادشاہ ہوتے۔ لہٰذا نجومیوں کی بات ہر صورت سے درست ثابت ہوئی۔ مرزا برجیس قدر شاعر بھی تھے اور برجیس تخلص کرتے تھے مگر ایک آدھ غزل کے علاوہ کلام ناپید ہے۔ ۱۴۷۔

مرزا قمر قدر واجد علی شاہ کا پانچواں بیٹا از بطن فخر محل۔ مرزا برجیس قدر محمد عابد علی۔ کی وفات کے بعد انگریزوں نے مرزا قمر قدر بہادر کو بادشاہ کا بڑا بیٹا تسلیم کر کے تین ہزار روپیہ ماہانہ پنشن مقرر کر دی۔ ۱۴۷۔

معشوق محل۔ واجد علی شاہ کی بیگم۔ ۱۴۰، ۱۶۶، ۱۶۷۔

ملکہ — ملکۂ انگلستان کوئن وکٹوریہ (QUEEN VICTORIA) ۱۲۵۲ھ/۱۸۳۷ء میں انگلستان کی ملکہ ہوئی۔ ۱۲۷۵ھ/۱۸۵۸ء میں ملکہ وکٹوریہ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کا راج ختم کر کے ہندوستان کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ ملکہ وکٹوریہ نے یکم شوال ۱۳۱۸ھ مطابق ۲۲ جنوری ۱۹۰۱ء کو انتقال کیا۔ ۱۱۹۔

ملکہ کشور۔ تاج آرا بیگم ملکہ کشور بنت حسین الدین خان ابن نواب امام الدین خان ابن نواب انتظام الدولہ خانخاناں خلف اعتماد الدولہ نواب قمر الدین خان وزیر ہندوستان۔ اس خاندان کی تین لڑکیاں فرمانروایان اودھ سے منسوب ہوئیں۔ نواب انتظام الدولہ خانخاناں کی دختر نواب آصف الدولہ کو منسوب ہوئی۔ نواب امام الدین خان کی دختر نصیر الدولہ محمد علی شاہ کو منسوب ہوئی اور حسین الدین خان کی دختر تاج آرا بیگم از بطن ولایتی بیگم بنت نواب سعادت علی خاں، ثریا جاہ امجد علی شاہ سے منسوب ہوئیں۔ تاج آرا بیگم کو سسرال سے خاتون معظمہ بادشاہ بہو نواب ملکہ کشور صاحبہ کا خطاب ملا۔

Marfat.com

۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۶ء میں واجد علی شاہ نے سلطنت کی واپسی کے لیے مولوی محمد مسیح الدین خان بہادر کو اپنا وکیل مقرر فرما کر والدہ، بھائی اور بیٹے کو لندن روانہ کیا۔ ملکہ کشور ۲۸ ذی الحجہ ۱۲۷۲ھ مطابق ۳۰ اگست ۱۸۵۶ء کو لندن پہنچیں۔ وہاں وہ ہر جمعرات کو اپنا دربار کرتی تھیں۔ لندن کے ہر طبقہ کی خواتین ان سے ملاقات کرنے آتی تھیں۔ یہاں تک ملکہ وکٹوریہ نے خواہش ملاقات کی۔ لندن کی تاریخ میں کبھی زنانہ دربار نہیں ہوا تھا مگر جب ملکہ کشور ملکہ انگلستان سے ملنے گئیں تو دربار میں کوئی مرد نہ تھا۔ ملکہ انگلستان نے ملکہ کشور سے ہاتھ ملایا اور دیگر خاندان شاہی کی خواتین سے تعارف کرایا۔ دوران گفتگو میں ملکہ وکٹوریہ نے بتایا کہ "میرا بڑا لڑکا پرنس آف ویلس (PRINCE OF WALES) جو ولی عہد برطانیہ ہے، اس کی عمر پندرہ سولہ برس کی ہے اس واسطے یہاں آنے کی اجازت نہیں ہوئی۔" ملکہ کشور نے فرمایا کہ "آپ کا بیٹا میرا بیٹا ہے، آپ بلا تکلف ولی عہد کو بلائیں۔" بہرکیف اس رسمی گفتگو کے بعد ملکہ کشور نے سلطنت کی واپسی کا مسئلہ ملکہ وکٹوریہ کے سامنے پیش کیا۔ ملکہ وکٹوریہ نے پوری ہمدردی کے ساتھ معاملے پر غور کرنے کا وعدہ کیا۔ تیسرے دن پھر ملاقات کا وقت مقرر ہوا مگر دوسرے ہی دن تار برقی سے لندن میں ادھر کے انقلاب کی خبر پہونچی۔ جس میں انگریز عورتوں اور بچوں کے قتل عام کے قصے تھے۔ ان خبروں سے ملکہ کشور کی ساری کوششوں پر پانی پھر گیا۔ ان کا دربار جو ہر جمعرات کو بڑی دھوم دھام سے ہوتا تھا اس پر اوس پڑ گئی۔ برطانی پارلیمنٹ کے جو ممبران حمایت کرتے تھے وہ بھی مخالف ہو گئے۔ ملکہ کشور ناامید ہو کر وہاں سے عتبات عالیات کی زیارت کو روانہ ہوئیں مگر ابھی پیرس پہنچی تھیں کہ قضا کر گئیں۔ جنازہ اس عظمت و شوکت سے اٹھا کہ اگر لکھنؤ میں ہوتیں تو شاید

Marfat.com

ایسی شان سے نہ اٹھا۔ جنازہ میں سلطان روم کے سفیر، ایران کے سفیر و دیگر ممالک کے سفیروں کے علاوہ خود فرانس کے تمام امراء و وزراء بھی شریک تھے۔ قبرستان چار میل کے فاصلے پر تھا۔ اتنے طویل فاصلے کے باوجود قبرستان تک دو رویہ لوگوں کا ایک جم غفیر تھا۔ ان کی وفات کی تاریخ یہ ہے

ملکۂ کشور آں جناب عالیۂ فلک قباب
مادرِ خسروِ اودھ ہمسر کلاہ و ہمرکاب
کرد سفر ازیں جہاں آہ ملول و خستہ جاں
وز ہمہ خلق ناگہاں رویہ نہفت در حجاب
بود بشوق کعبۂ خویش در رہِ صبر جبر کش
داد خدائے منعمش اجر جزائے بے حساب
خامۂ سینہ چاک من باہمہ حسرت و محن
سال وصال او نوشت ملکۂ مغفرت مآب
۱۸۵۸ء

ملکہ کشور کے بطن سے جو اولادیں ہوئیں ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ خورشید حشمت مرزا محمد واجد علی بادشاہ اودھ۔

۲۔ مرزا محمد جواد علی جرنیل سکندر حشمت۔

۳۔ اشرف النساء بیگم زوجہ نواب سرفراز الدولہ ابن نواب منیر الدولہ۔

ملکہ کشور گوناگوں اوصاف کی مالک تھیں۔ بیگمات اودھ میں ان کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ کشمیری محلہ لکھنؤ میں "ملکہ کشور کی مسجد" آج بھی ان کے نام کو باقی رکھے ہوئے ہے۔ ۱۳۰، ۱۲۱، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۷۲۔

ملکہ ملک۔ واجد علی شاہ کی بیگم۔ ۱۴۰، ۱۴۷، ۱۶۷۔

منور الدولہ۔ نواب منور الدولہ احمد علی خاں عہد امجد علی شاہ میں کچھ دنوں کے لیے عہدۂ وزارت پر فائز ہوئے۔ واجد علی شاہ کے رفقا میں تھے۔ ۱۱۹، ۱۲۱۔

Marfat.com

مہتمم الدولہ۔ مہتمم الدولہ مرزا محمد جعفر بہادر فوج شاہی کی جعفری پلٹن کے افسر اعلیٰ اور فتح الدولہ مرزا محمد رضا برق کے حقیقی بھائی تھے۔ مہتمم الدولہ کے اکلوتے بیٹے مالک الدولہ حسین جعفر خاں بہادر صولت تھے۔ صولت کا بھی ایک ہی بیٹا تھا جو ان کی حیات ہی میں مرگیا تھا۔ صولت کے انتقال کے بعد لکھنؤ کے مشہور عالم مرزا کاظم علی مجتہد کی نسل کا خاتمہ ہوگیا۔ ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۷۳۔

مہدی بیگم۔ واجد علی شاہ کی بیگم۔ ۱۴۸۔

مہ لقا بیگم۔ واجد علی شاہ کی بیگم۔ ۱۴۰۔

موچی کھولہ۔ کلکتہ کے مضافات میں دریائے ہگلی کے کنارے ایک ویران مقام موچی کھولہ کہلاتا تھا۔ جب واجد علی شاہ کلکتہ تشریف لائے تو اس مقام کو اپنا مسکن قرار دیا۔ موچی کھولہ میں جابجا مٹی کے ٹیلے تھے انھیں ٹیلوں کی مناسبت سے موچی کھولہ کا نام بادشاہ نے مٹیا برج رکھا۔ ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۵۱، ۱۵۹۔

میر نواب۔ ملازم۔ ۱۲۷۔

ناسخ۔ ۱۲۴۔

نجیس آرا۔ واجد علی شاہ کی بیٹی از بطن شیدا بیگم صاحبہ۔ پہلی جنگ آزادی کی افراتفری میں نجیس آرا قربان ہوگئی تھیں۔ شیدا بیگم بیٹی کی وفات کے سلسلے میں بادشاہ کو لکھتی ہیں:

"۔۔۔۔ جب شہر کے لوگوں کے ساتھ میں بھی بھاگی، والدین اور ہمشیر کے ساتھ پیدل ہی ننگے سر کرسی تک پہنچے وہاں نجیس آرا بیگم کو بخار آیا۔ تین روز وہاں مقام ٹھہرایا۔ چوتھے دن وہاں سے سب بھاگے۔ میں بھی بڑھی آگے۔ آخر رفتہ رفتہ تقدیر ہم کو مصیبت کی جگہ لے گئی یہ صدمہ غم ہم کو دے گئی۔ راہ میں نہ دوا میسر ہوئی۔ کچھ نہ اس کو افاقہ ہوا۔ گرمی سے سر کا تڑاقا ہوا۔ سترھویں رمضان کو اس نے انتقال

Marfat.com

کیا۔ ہمارا غیر حال کیا۔ اب تک جب صورت یاد آتی ہے، ٹکڑے بھائی ہو جاتی ہے۔ جی چاہتا ہے اپنے تئیں ہلاک کردوں۔ گریبان اور کسوت حیات چاک کردوں۔ ناچار ہوں اگر اس طرح موت نہ ہوتی حرام۔ تو میں کرتی اپنا کام تمام ۔

ہمیشہ آگ نکلتی ہے اپنے سینے سے
الٰہی موت دے گزری میں ایسے جینے سے " ۱۵۰۔

نواب بیگم۔ واجد علی شاہ کی بیگم۔ ۱۵۰۔

نوروزی بیگم۔ واجد علی شاہ کی نسبتی بہن۔ نواب سلطان بیگم کی ہمشیرہ۔ ۱۵۱۔

نوشیرواں قدر۔ خسرو مرتبت دارا شکوہ نوشیرواں قدر مرزا محمد علی حیدر بہادر از بطن خاص محل صاحبہ۔ یہ واجد علی شاہ کے سب سے بڑے لڑکے تھے مگر مجنون تھے۔ معذور مصروع ہونے کی وجہ سے نوشیرواں قدر بادشاہ کے ہمراہ کلکتہ نہ جا سکے ۱۲۷۴ھ میں جب انگریز لکھنؤ پر قابض ہوگئے اور انھوں نے قتل عام شروع کیا تو نوشیرواں قدر بھی انگریزوں کی گولی کا نشانہ بن کر شہید ہو گئے۔ ۱۲۵

واجد علی۔ میر واجد علی تسخیر واجد علی شاہ کی بیگم سلطان محل کی ڈیوڑھی کے داروغہ تھے۔ انتزاع سلطنت کے بعد جب برجیس قدر کی شاہی ہوئی تو میر واجد علی حضرت محل کے مشیروں میں شامل تھے۔ مگر جب انھوں نے پانسہ پلٹتے ہوئے دیکھا تو وہ انگریزوں کے طرفدار ہو گئے۔ اس صلے میں میر واجد علی کو انگریزی سرکار سے جاگیر اور ایک لاکھ نقد بطور انعام ملا۔ انھوں نے گو رگنج میں ایک امام باڑہ بھی تعمیر کرایا۔ میر واجد علی تسخیر غزل میں اسیر اور مرثیہ میں مشیر و دبیر کے شاگرد تھے۔ ۲۷ ذی قعدہ ۱۲۹۳ھ مطابق ۱۴ دسمبر ۱۸۷۶ء بروز جمعرات کو میر واجد علی نے وفات پائی اور اپنے تعمیر کردہ امام باڑے میں سپرد خاک ہوئے۔ میر واجد علی نے اپنے بڑے لڑکے سید نظیر حسن کے نام پر ۱۲۹۳ھ ۱۸۷۶ء میں نظیر آباد محلہ آباد کیا۔ ۱۵۱، ۱۵۳، ۱۵۵۔

ولی محمد۔ ملازم شاہی۔ ۱۲۵۔

ہربرٹ صاحب۔ انگریز۔ کمپنی کا ملازم۔ ۱۴۳۔

Marfat.com

فرہنگِ الفاظ

آبرو۔ عزت۔

اُبٹنا۔ بٹنا۔ غازہ۔

اُپج - اختراع۔ گانے میں نیا انداز پیدا کرنا

اچپل۔ شوخ۔

اچکا - بدمعاش۔

ارگن - انگریزی باجا۔

ارنڈ - ایک درخت جس کی لکڑی نہایت بودی ہوتی ہے۔

آڑاچوتالہ - تال - ٹھیکہ

آسا - مانند۔

اسامی - جمع الجمع اسم بمعنی نام۔

اُسترہ - بال مونڈنے کا آلہ۔

اشجع - دلیر۔

اکتالہ - تال - یہ تال بارہ ماترہ کا ہے بعض چھ ماترہ اور بعض ماترہ ہی کافی خیال کرتے ہیں۔ یہ ایک اہم اور عام تال ہے

اگال - پان کا پھوک۔

الحذر - خوف۔

الماس - ہیرا - ایک قیمتی پتھر۔

الیمانی - جرمنی - وہاں کی تلوار بہت اچھی سمجھی جاتی تھی۔

اونہ - چھوٹی تلوار - چاقو

بادکش - پنکھا۔

باگ - گھوڑے کی لگام - راس۔

Marfat.com

بانک - چاقو، چھری، خنجر اور تلوار کی
لڑائی کا فن -
بانکا - بانک کے فن کو جاننے
والا - جنگجو -
بایاں - طبلہ یا مجیرا جو بائیں ہاتھ سے
بجاتے ہیں -
بتاسے - ایک قسم کی مٹھائی جو خاص
شکر کی بہ شکل حباب بناتے
ہیں - لکھنؤ میں بتاسے والی
گلی کے نام سے ایک محلہ آباد
ہے جہاں آج بھی یہ مٹھائی
بنتی اور بکتی ہے -
بربط - بانسری -
برم - ایک تال کا نام - ٹھیکہ -
برملا - اعلانیہ - سب کے سامنے -
بط - بطخ - ایک آبی پرندہ -
بطے - شراب کی صراحی -
بقچہ - گٹھڑی
بکھیڑا - جھنجھٹ -
بلور - کان سے نکلنے والا ایک
چمکدار جوہر جو نہایت صاف
و شفاف ہوتا ہے -
بلہ - تلوار کو میان سے باندھنے

کافیہ
بنگ - بھنگ -
بولدان - موت کا برتن -
بیانہ - ایک ساز کا نام -
بیدرنگ - فوراً - اسی وقت -
بیڈھب - بے طور - سخت -
بیلہ - سارنگی کی طرح کا یورپین باجا -
بیم - نوحہ -
بینی - ناک -
بھاتی - سیندور -
بھار جین - دیکھیے راگ راگنی -
بھچک - سہم جانا - ایک لمحہ کے لیے
خوف زدہ ہونا -
بھرم - گمان - اعتبار - شک -
بھر کلنگ - پرندوں -
بہشتی - پانی بھرنے والا سقہ -
بھون - ابرو -
پازیب - ایک زیور - جو عورتیں پیروں
میں پہنتی ہیں -
پایاں - انتہا -
پاپوش - جوتی -
پائے مردی - طاقت -
پتر - دیکھیے راگ راگنی -

Marfat.com

پٹ تال۔ تال۔ ٹھیکہ ۲۰۔ ماترہ۔
پٹھا چڑھا ہوا۔ تلوار کی چوڑی دھار۔
پٹے ۔ سر کے بال جو ایک خاص وضع سے تراشے جاتے تھے۔ اسی کی بگڑی ہوئی شکل آج کل ہپی کٹ ہے۔
پیٹہ باز۔ لکھنؤ کے سازندوں اور موسیقاروں میں جھجو خاں سپٹے کے موجد کہے جاتے ہیں پیٹہ چھوٹی سی دو تکیں ہوتی ہیں۔ اس میں اپج کا رواج بہت ہے۔
پچ ۔ طرف داری۔
پرتکیش۔ پرتگال کی۔
پرتلہ۔ وہ پیٹی جس میں تلوار لٹکاتے ہیں۔
پرتو۔ روشنی۔ شعاع۔ عکس سایہ۔
پرکار۔ وہ دو شاخہ آہنی قلم جس سے دائرہ کھینچتے ہیں۔
پڑیا۔ وہ کاغذ جس میں کوئی چیز رکھ کر باندھی گئی ہو۔
پکھاوج۔ مردنگ۔ قدیم ساز۔ اس کو دو حصوں میں تقسیم کرکے طبلہ ایجاد ہوا۔
پکھراج۔ ایک قیمتی پتھر جس کا رنگ زرد ہوتا ہے۔
پلٹی ۔ گانے میں سروں کا ردو بدل۔
پلے ۔ پاس۔ گرہ میں۔
پنچم ۔ پانچواں سر "پ"
پنکھڑی۔ پھول کی پتی۔
پور ۔ انگلی کی گرہ۔
پہانی۔ اس لفظ کے معنی معلوم نہ ہو سکے۔
پھبن۔ جسم کی خوشنمائی۔
پھپھولہ۔ آبلہ۔
پھونک۔ اگال، پان کا پھوک۔
پیش قبض۔ خنجر۔
تار رود۔ سارنگی وغیرہ کے تانت کے تار۔
تاسا۔ اصل لفظ طاسہ ہے۔ ڈھول۔
تانیں۔ راگ کے گرام کے مطابق آواز کو یکے بعد دیگرے اونچے سروں پر چڑھانا۔

Marfat.com

تال کا پنڈ - عام طور پر ۹۲ تالیں ہیں۔
کہا جاتا ہے کہ زمانۂ قدیم
میں ۳۶۰ تالیں تھیں۔
ہر تال کا پنڈ ہوتا ہے جس
سے اس تال کی بناوٹ
معلوم ہوتی ہے۔ پنڈ کو
سات حصوں میں تقسیم کیا
گیا ہے۔
۱- لگھو - ۲- گرُو - ۳-
پلُت - ۴- برام لگھو -
۵- انُو درت ۶- درت
۷- برام دُرت -

تبرید - حرارت دور کرنے کی دوا-
ٹھنڈائی -

تپک - ٹیس -

تتالہ - تال - اس کی تال دو لگھو
ایک گرُو سے بنتی ہے -

تحریر - گانے کی ایک قسم - گٹکری -

تخم ریحاں - خوشبو دار پھول کا بیج۔

تر - بھیگا ہوا -

تراہی - اس لفظ کے معنی معلوم نہ ہوسکے

ترہی - ایک پھل -

ترک - معشوق -

ترک - چھوڑنا -

ترم پٹ - انگریزی باجا -

ترملی - اس لفظ کے معنی معلوم
نہ ہوسکے -

تعب - رنج -

تکا - بان جس میں نوک کے بجائے
گھنڈی ہوتی ہے -

تماشہ - کھیل - ناٹک - رقص -
رہس -

تنفر - نفرت -

توبیاں - جمع تونبی - بین - ایک
قدیم ساز -

توڑا - ایک ہزار سکّے -

تولے - سختی - مصیبت -

تیغ اصفہانی - ایران کے شہر اصفہان
کی تلوار بہت مشہور تھی

ٹانکا - زخم سینا -

ٹٹیاں - آڑ - پردہ - گرمیوں میں
گرمی کی شدت سے بچنے
کے لیے خس کی ٹٹیاں لگائی
جاتی تھیں - ان پر پانی
چھڑکا جاتا تھا - یہ ٹٹیاں
AIR COOLING

Marfat.com

کا کام کرتی تھیں۔ آج بھی
گرم علاقوں میں جہاں
AIR CONDITION
کی سہولت فراہم نہیں ہے
ان کا رواج باقی ہے۔

ٹکوریں۔ سازوں پر ضربیں لگانا۔
ٹھمری۔ دو بول کا گیت۔ واجد علی
شاہ کی ٹھمریاں بہت مشہور
ہیں ۔

انجھوا رہے نیناجوبن پر نہالے
ترچھی نجریا گھائل کر ڈالو
نام رکھو بانکی اکھتر پیارے
او لجھو رہے ....

(۲)

میرے اکھتر پیارے پیارے کی جوبحانی ہے
سب سے نیاری ہے
سینہ جو ہے وہ کٹاری ہے
چھب تختی پیاری پیاری ہے
میرے اکھتر پیارے ....

جاروب۔ جھاڑو۔
جاشو۔ اس لفظ کے معنی معلوم نہ
ہوسکے۔
جان مائی۔ اس لفظ کے معنی معلوم نہ ہوسکے

جل ترنگ۔ ایک ساز۔ پیالوں میں کم و
بیش پانی بھر کے چھڑیوں سے
ضربیں لگا کے سُر نکالے جاتے
ہیں۔

جوبن۔ حسن و جمال۔ شباب۔
جہازی۔ بھاری تلوار۔
جھالر۔ آرائش کے لیے چادر وغیرہ
کے اردگرد ٹانکتے ہیں۔
جھانجھ۔ پیتل سیار ٹ تھالیوں پر
مشتمل باجا۔
جھنایتا۔ اس لفظ کے معنی معلوم
نہ ہوسکے۔
چادر خوش۔ دوپٹہ۔
چاشت۔ ایک پہر دن کا وقت۔
چاکو۔ چاقو۔
چتر دس۔ چتر ایک تال کا نام جو دس
ماتراؤں کا ہوتا ہے۔
چتون۔ تیور۔ دیکھنے کا انداز۔
چکارا۔ یہ باجا بالکل مثل سارنگی
کے ہوتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ
اس میں تانت کے بجائے
بال کے تار ہوتے ہیں اور یہ
ذرا چھوٹا ہوتا ہے۔

Marfat.com

چلّے ۔ کمان کی ڈوری۔
چنگ ۔ ایک طرح کھال سے منڈھا ہوا باجا۔
چھاتیاں ۔ پستان ۔
چھڑیوں ۔ پتلی لکڑیاں ۔ تیلیاں۔
چھکا دے ۔ نیت سیر کر دے ۔
چھلّا ۔ دھات کا چھوٹا حلقہ جو ہاتھ کی انگلیوں میں پہنا جاتا ہے۔
چھینٹ ۔ دھبّہ ۔
حدید ۔ لوہا۔
حیبنی ۔ اس لفظ کے معنی معلوم نہ ہو سکے۔
حکیموں کی خانی ۔ اس لفظ کے معنی معلوم نہ ہو سکے ۔
حلب ۔ ایک شہر کا نام۔
حمام کیا ۔ نہایا، غسل کیا، اہلِ لکھنؤ "غسل کیا" نہیں بولتے یہ لفظ مُردوں کے لیے مخصوص ہے۔
خاکروب ۔ جھاڑو دینے والا۔
خامہ ۔ قلم۔
خراسانیاں ۔ ایران کا علاقہ خراسان سے منسوب۔
خریطہ ۔ لفافہ جس میں شاہی شُقّے رکھے جاتے تھے۔
خمسہ ۔ تال آٹھ ماترہ ۔ بعض ماہرین خمسہ اور فرد دست دونوں کو ایک بتاتے ہیں ۔ اس کو امیر خسرو کی ایجاد بتایا جاتا ہے۔
خنجری ۔ کھنجری ۔ چھوٹی ڈفلی۔
خوب و زشت ۔ اچھا و بُرا ۔
خیالی ۔ خیال گانے والے۔
دادرا ۔ عام فہم گیت ۔ چھ ماترہ کا تال ۔ واجد علی شاہ کے دادرے بھی بہت مشہور رہیں سے

رسیا بے دردی میں میکے چلی
موری پائیل جھن جھن باج رہی
رسیا بے دردی .....
ساس جی سے کہیو نندجی سے کہیو
اکھتر سنگ موری لاج رہی
رسیا بے دردی ....

دارو ۔ شراب۔
دام ۔ قیمت ۔ پھندا۔
دائرا ۔ ڈفلی۔
دخانی ۔ ایدھن ۔ دھواں۔
دختِ رز ۔ انگور کی شراب۔
ددوڑے ۔ مچھر، کھٹمل اور چیونٹی وغیرہ کے کاٹنے سے جسم پر جو دانے

Marfat.com

ایسے ابھر آتے ہیں۔

دزودھنا - وہ سفیدی جو ہاتھ پاؤں میں مہندی لگنے سے رہ جاتی ہے

دغدغا - چمک۔ دمک۔

دف - باجا۔ ایک چوبی حلقہ جس کا منھ ایک طرف کھال سے منڈھا ہوتا ہے۔

دلائی - رضائی۔ ردا۔

دوتارا - یہ باجا مثل سارنگی کے ہے۔ لیکن ذرا چھوٹا ہوتا ہے۔ اسے چکارا بھی کہتے ہیں۔

دوٹانک - ایک قسم کی بھاری کمان۔

دود الم - رنج۔ غم۔

دوہتڑ لگانا - دونوں ہاتھوں سے پیٹنا۔

دھرپد - تال۔ ٹھیکہ۔ ہندوستانی کا شاہی گانا: استائی، انترا، ابھوگ بھوگ - یہ ٹھہر ٹھہر کر گایا جاتا ہے

دہل - نقارہ۔

دہنا - طبلہ یا جو دائیں ہاتھ سے بجایا جائے۔

دھیوت - چھٹا سُر 'د'۔

دیگچی - پتیلی۔

ڈاب - پرتلہ۔ تلوار لٹکانے کی پیٹی۔

ڈانڈ - ستار کی ڈنڈی جس پر پردے بنے اور تار تنے ہوتے ہیں۔

ڈول - وضع۔

ڈھب - طور۔

ڈھیٹ - بے شرم۔

راس - ~~[illegible]~~ - راشی کے مطابق موافق ہونا۔

راضی نامہ - انتزاع سلطنت کے وقت انگریزوں نے ایک معاہدہ واجد علی شاہ کے حضور پیش کیا تھا جس کو بادشاہ نے منظور نہیں فرمایا تھا۔

راگ راگنی - سات سُروں کی کسی خوش گوار ترتیب کو راگ راگنی کہتے ہیں عام طور پر چھ راگ، چھتیس راگنیاں، اڑتالیس پتر اور اڑتالیس بھارجائیں قائم کی گئی ہیں۔

رکھب - دوسرا سُر 'ر'۔

رکیک - حقیر۔ نازیبا۔

روپک - ایک تال۔

رود - تانت کے تار۔ نام ایک

Marfat.com

باجے کا۔

روزِ الست۔ قیامت کا دن۔

روکھائی۔ بے رخی۔

رومال تلوار کا۔ وہ کپڑا جو تلوار کے قبضہ میں باندھتے ہیں۔

رونڈ۔ ROUND۔ رات کا گشت پہرہ۔

زربفت۔ سونے و چاندی کے تاروں سے بنا ہوا کپڑا۔

زمرّد۔ ایک قیمتی پتھر۔ عام طور پر سبز رنگ کا ہوتا ہے۔

زنخداں۔ ٹھوڑی۔

زنداں۔ قید خانہ۔ جیل۔ قلعہ فورٹ ولیم سے مراد جہاں بادشاہ قید تھے۔

زنگی۔ حبشی۔

زیرجامہ۔ شلوکہ۔

ژیان۔ درندہ۔ خوفناک۔

سات سُر۔ انسانی جسم میں آواز کی ۲۲ بائیس ڈوریاں ہوتی ہیں۔ یہ سُرت کہلاتی ہیں۔ ہر ایک ڈوری سے ایک مختلف آواز نکلتی ہے۔ ان مختلف آوازوں کے اتار چڑھاؤ کو موسیقی میں سات سُروں میں تقسیم کیا گیا ہے:-

۱۔ کھرج۔ س ۲۔ رکھب۔ ر۔ ۳۔ گندھار۔ گ

۴۔ مدھم۔ م ۵۔ پنچم۔ پ

۶۔ دھیوت۔ د ۷۔ نکھاد ن۔

سازچنگ۔ خوشگوار آواز کا ایک باجا۔

سان۔ تلوار اور چھری وغیرہ پر باڑھ رکھنے کا پتھر۔

سپند۔ رائی کا کالا دانا۔ انگیٹھی۔ نام ایک پہاڑ کا۔

سپر۔ ڈھال۔

ستار۔ ہندوستان کا مشہور باجا۔

سُر۔ یہ لفظ موسیقی میں کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اول سُر سے مراد کسی خوشگوار آواز سے ہے۔ دوم کسی شخص کے گلے یا کسی ساز سے جو مختلف آوازیں نکلتی ہیں ان میں ہر ایک، ایک سُر ہے۔ سوم سُر کو ذات پات، علاقے اور جانوروں سے بھی نسبت دی گئی ہے۔

Marfat.com

علم موسیقی کی زبان میں سُر
کو تین حصّوں میں تقسیم کیا گیا
ہے۔ اول مندر (मन्द्र)
وہ آواز جو چھاتی یا جگر سے
پیدا ہو۔ سات سُروں میں
اس کا استعمال گندھار اور
نکھاد میں ہوتا ہے۔ دوم
مدھیہ (मध्य) وہ
آواز جو گلے سے پیدا ہو۔
سات سُروں میں اس کا
استعمال رکھب اور دھیوت
میں ہوتا ہے اور سوم تار
(तार) وہ آواز جس کا مخرج
سَر یا دماغ ہے۔ سات سُروں
میں اس کا استعمال کھرج،
مدھم اور پنچم میں ہوتا ہے۔

سرائینہ۔ گانا۔ الاپ۔

سُرت۔ دیکھئے سات سُر۔

سرجیت۔ سہ پہر کے وقت گائی جانے والی راگنی۔

سرنگھار۔ ستار کی شکل کا ایک باجا۔

سرود۔ ایک باجا۔

سروہی۔ تلوار۔

سفل۔ پھوک۔ اگال۔

سقف۔ چھت کی دھنیاں۔

سَقّہ۔ بہشتی۔

سم کنول۔ چاندی کا کٹورہ۔

سمند۔ وہ گھوڑا جس کا رنگ زرد اور دم سیاہ ہو۔ اچھی نسل کا گھوڑا۔

سواری۔ تال، ٹھیکہ۔ ۱/۲، ماترہ

سوزن۔ سوئی۔

سوسن۔ ایک پھول۔

سنبل۔ ایک خوشبودار گھاس۔

سنبہ۔ برما۔ سوراخ کرنے کا آلہ۔

سیف خانی۔ تیزی۔

شست۔ نشانہ۔

شفیعہ۔ ایرانی خط۔ ایرانی کردار۔

شمشیر۔ تلوار۔

طپاں۔ بے قرار۔

طنبورہ۔ تان پورہ۔ ستار کی طرح ہوتا ہے۔ اس کی ڈانڈ ذرا پتلی اور اوپر کو زیادہ اُبھری ہوئی ہوتی ہے۔ چار کھونٹیاں اوپر کے حصّے میں ہوتی ہیں۔ اس میں چار ہی تار ہوتے ہیں۔

Marfat.com

عقیق یمن۔ عقیق ایک قیمتی پتھر۔ یمن شہر
کا سُرخ عقیق نہایت عمدہ
ہوتا ہے۔

علی بند۔ حضرت علیؑ کے نام سے منسوب
ایک مردانہ زیور جو فتح و نصرت
کی غرض سے کلائی پر باندھا
جاتا ہے۔

عنیف۔ سخت۔

غوغا۔ شور و غل۔

فرودست تال۔ ٹھیکہ۔ اس میں چھ ضرب
اور چھ تال ہوتے ہیں مگر
مساوی الوزن نہیں ہوتے۔
یہ تال بھی امیر خسرو کی ایجاد
بتایا جاتا ہے۔

فہم۔ سمجھ۔

قدّ۔ کم کرنا۔ چیرنا۔ پھاڑنا۔

قرولی۔ چھری۔

قم قم۔ اُٹھ بیٹھ۔ بھاؤ۔
(ACTION)

قمہ۔ بڑی چھری۔

کامڑی۔ اس لفظ کے معنی معلوم نہ
ہو سکے۔

کبادہ۔ نرم و نازک کمان۔ کمزور
کمان۔

کبک۔ چکور۔

کثیف۔ گندہ۔ میلا۔

کتّا۔ بندوق کا دستہ۔

کتر۔ کاٹنا۔

کٹارہ۔ چھوٹی تلوار۔

کٹیلہ۔ ایک درخت۔ خاردار۔

کرتال۔ ایک باجا۔

کرچ۔ انگریزی تلوار۔ اس میں
خم نہیں ہوتا۔

کلا۔ ماترہ۔ ایک قلیل عرصہ۔
اس کے بھی کئی حصے کیے گئے
ہیں۔ دیکھیے تال کا بینڈ۔

کلاونت۔ گانے بجانے والے۔

کلاہ۔ ٹوپی۔

کمان۔ تیر پھینکنے کا آلہ۔

کمالی۔ فن کار۔

کمیت۔ سرخ رنگ کا گھوڑا جو مائل
بہ سیاہی ہو۔

کمبدک۔ اس لفظ کے معنی معلوم نہ
ہو سکے۔

کمیں۔ دشمن یا شکار کی گھات
میں بیٹھنا۔

Marfat.com

کنئور۔ ایک ساز۔

کور ۔ حاشیہ ۔گوٹ ۔گگر ۔اندھا۔

کوکلا ۔ تال ۔ٹھیکہ ۔سات ماترہ۔

کولدار۔ اناج پیسنے والا۔

کھانڈا۔ دو دمہ تلوار۔

کھرج ۔ پہلا سُر، س،

کھلنڈراپنا۔شوخی ۔ شرارت ۔ نادانی۔

کھیرے ۔ چوڑے پھل کا خنجر۔

کھیلیں ۔ بھنے ہوئے چاول جو پھول جاتے ہیں۔

گات ۔ جسم کی خوشنمائی۔

گٹکری ۔ مُرکی ۔ وہ پیچیدہ آواز جو گانے والوں کے گلے سے لہراکر نکلتی ہے۔

گرگ ۔ بھیڑیا۔

گلوری ۔ پان کا بیڑا لکھنوی انداز کا۔

گندھار۔ تیسرا سُر ۔گ،

گوشمال ۔ سزا۔

گھٹس ۔ سخت گرمی اور ہوا کی کمی حبس ۔

گرہ بر۔ جیب کترا۔

لچھمی ۔ ایک تال کا نام۔

لگ گئے ۔سُن ہوگئے۔ رہ گئے۔

لوٹ ۔ وہ سرکاری کاغذ جو بجائے سکہ رائج الوقت کام دیتا ہے ۔ ہنڈی۔

لویں ۔ کانوں کا نچلا حصہ۔

لہسنیہ ۔ ایک قیمتی پتھر۔

لیس ۔ کناری ۔سجاوٹ۔

ماندن ۔ رہنا۔

مخمصے ۔ مشکل ۔ضیق ۔

مدھم ۔ چوتھا سُر ۔ 'م'

مرجان ۔ مونگا ، سُرخ رنگ کا سمندری موتی ۔

مرچنگ ۔ اٹلی کے ایک باجے کا نام۔

مِسّی ۔ دانتوں کو سیاہ کرنے کا منجن ۔عورتیں بطور سنگار لگاتی تھیں۔

مشک تتار۔ تاتار کے ہرن کے نافہ کی مشک۔

مشک ختن ۔ختن کے ہرن کے نافہ کی مشک۔

مغبچے ۔ شراب پلانے والا بچہ۔

مکھروتی اس لفظ کے معنی معلوم نہ ہوسکے ۔

مِنّت ۔ سماجت ۔ خوشامد۔

Marfat.com

مندل۔ ڈھول۔

موا ۔ مرا ہوا۔

میراں جی۔ سال کا چوتھا مہینہ۔ ہجری
اور عیسوی مہینوں کے قطع نظر
ادھر میں عام طور پر سال کے
بارہ مہینوں کے نام یہ تھے:
محرم ۔ تیرہ تیزی۔ بارہ وفات
میراجی یا میران جی ۔ مدار۔
ہمسایہ۔ خواجہ دین۔ شبرات
رمضان ۔ عید۔ خالی اور
بقرعید۔ یہ نام ملکی اور قومی
ماحول کی مطابقت سے رکھے
گئے تھے مگران مہینوں کا
حساب چاند کی چال ہی کے
مطابق تھا۔

ناب ۔ خالص۔ صاف۔ پاک۔

نان چاشت۔ ایک وقت کی روٹی۔

ناوک ۔ چھوٹا تیر۔

نبات ۔ روئیدگی۔ گھاس پات۔

نبذ ۔۔۔ بہت تھوڑا۔ تھوڑی چیز۔
کم۔ ٹکڑا۔

نزار۔ لاغر۔

نسر۔ گدھ۔

نشہ بنگ۔ بھنگ کا نشہ۔

نکتہ ۔ تال۔ آٹھ ماترہ۔

نکھاد۔ ساتواں سُر۔ ن،

نل دار۔ اس لفظ کے معنی معلوم نہ
ہو سکے۔

نواڑا۔ چھوٹی ناؤ۔

نواڑی۔ ایک قسم کا پھول۔

نہال ۔ درخت۔

نحیف ۔ کمزور۔ لاغر۔

نیمچا۔ چھوٹی تلوار۔

ولایت۔ ایران، عرب وغیرہ شاہی
امیری۔

ولندیزی۔ ہالینڈ کا۔

ہرب ۔ سارنگی۔

ہڑک ۔ ڈھول۔

ہُما ۔ ایک جانور۔ اس جانور کا
سایہ جس شخص پر پڑ جائے
وہ بادشاہ ہو جائے۔

ہیکل۔ ہار۔

یاقوت۔ ایک قسم کا نہایت قیمتی
پتھر۔ عام طور پر سرخ رنگ
کا ہوتا ہے۔ گلابی، زرد اور سفید
بھی ہوتا ہے۔

Marfat.com

فہرستِ ماٰخذ

قلمی۔

۱۔ بریف ہسٹری آف اودھ (BRIEF HISTROY OF OUDH)
اردو۔ جلد اول۔ سید کمال الدین حیدر۔

۲۔ تقویم حال سلطنتِ صوبہ اودھ۔ اردو۔ جلد دوم۔ سید کمال الدین حیدر

۳۔ نقل درخواست سید کمال الدین حیدر۔ مورخہ ۲۶ جون ۱۸۶۰ء۔

۴۔ نقل چھٹی ۲۵۵ مرقومہ ۲۵ اکتوبر ۱۸۶۱ء۔ کمشنر لکھنؤ۔

مطبوعہ۔

۵۔ آبِ بقا۔ خواجہ محمد عبدالرؤف عشرت۔ اشاعت ۱۹۲۸ء مطبع
نامی پریس لکھنؤ۔

۶۔ اردو مثنوی شمالی ہند میں۔ ڈاکٹر گیان چند۔ اشاعت ۱۹۶۶ء۔
انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ۔

۷۔ اردو مثنوی کا ارتقا۔ ڈاکٹر سید محمد عقیل۔ مطبع اسرار کریمی پریس الٰہ آباد۔

۸۔ افضل التواریخ۔ منشی رام سہائے تمنا۔ اشاعت ۱۸۶۹ء۔ مطبع تمنائی
لکھنؤ۔

Marfat.com

۹- امجد علی شاہ - سبط محمد نقوی - اشاعت ۱۹۶۰ء - مطبوعہ سرفراز قومی پریس لکھنؤ -

۱۰- بیگمات اودھ - شیخ تصدق حسین - اشاعت ۱۹۵۶ء - مطبوعہ سرفراز پریس لکھنؤ -

۱۱- بیگمات اودھ کے خطوط - مفتی انتظام اللہ شہابی - مطبوعہ فاروقی پریس دہلی -

۱۲- پری خانہ - مترجم تحسین سروری - اشاعت ۱۹۶۵ء - مطبوعہ دہلی پرنٹنگ پریس رامپور -

۱۳- تاریخ اودھ - جلد پنجم - مولوی نجم الغنی خاں - اشاعت ۱۹۱۹ء - مطبوعہ نول کشور لکھنؤ -

۱۴- تاریخ لکھنؤ - مولانا سید آغا مہدی لکھنوی - ناشر جمعیت خدام ع ۱۰ کراچی -

۱۵- تاریخ لکھنؤ - مولانا محمد باقر شمس لکھنوی - ناشر دار التصنیف کراچی -

۱۶- تاریخی شہ پارے - مرزا علی اظہر برلاس - اشاعت ۱۹۷۱ء - مطبوعہ ایجوکیشنل پرنٹنگ پریس، کراچی -

Marfat.com

۱۷۔ تال ہارمونیم ۔ پروفیسر سوتیکشن رائے قمر دہلوی۔ اشاعت سنہ ۱۹۱۱ء۔ مطبع منشی نول کشور لکھنؤ۔

۱۸۔ تواریخ نادر العصر۔ مطبوعہ منشی نول کشور پریس لکھنؤ۔

۱۹۔ توشۂ آخرت۔ واجد علی شاہ۔ مطبع سلطانی، کلکتہ۔

۲۰۔ جان عالم۔ مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی۔ اشاعت سنہ ۱۹۵۱ء۔

ادارہ فروغ اردو لاہور، پاکستان۔

۲۱۔ جواب اودھ بلو بک۔ واجد علی شاہ۔ مطبع سلطانی کلکتہ۔

۲۲۔ رسالہ علم موسیقی۔ پیارے لال۔ مطبع نامعلوم۔

۲۳۔ سلطان عالم واجد علی شاہ ۔ پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیب۔

اشاعت سنہ ۱۹۷۷ء۔ مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ

۲۴۔ سن ستاون۔ پنڈت سندر لال۔ اشاعت سنہ ۱۹۵۷ء۔

مطبوعہ سرفراز قومی پریس لکھنؤ۔

۲۵۔ عندلیب تواریخ۔ خان بہادر سید مسعود حسن مسعود۔ اشاعت

سنہ ۱۹۶۳ء۔ مطبوعہ اسرار کریمی پریس الہ آباد۔

۲۶۔ فضائے چمنستان۔ اشاعت سنہ ۱۹۰۴ء۔ مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ

۲۷۔ قیصر التواریخ۔ سید کمال الدین حیدر۔ اشاعت سنہ ۱۸۵۶ء۔

Marfat.com

مطبوعہ نول کشور لکھنؤ۔

۲۸۔ گذشتہ لکھنؤ۔ مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی۔ اشاعت ۱۹۷۴ء

مطبوعہ نظامی پریس لکھنؤ۔

۲۹۔ لکھنؤ اور جنگِ آزادی۔ ادبی اکاڈمی لکھنؤ۔ اشاعت ۱۹۵۷ء

مطبوعہ سرفراز قومی پریس لکھنؤ۔

۳۰۔ لکھنؤ کا دبستانِ شاعری۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی۔ اردو پبلشرز لکھنؤ

۳۱۔ لکھنؤ کا شاہی اسٹیج۔ پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیب۔ کتاب نگر

دین دیال روڈ لکھنؤ۔

۳۲۔ لکھنؤ کی تہذیبی میراث۔ ڈاکٹر سید صفدر حسین۔ اشاعت

۱۹۷۵ء۔ بارگاہ ادب لاہور پاکستان۔

۳۳۔ لکھنؤ کے چند نامور شعرا۔ ڈاکٹر سید سلیمان حسین۔ ۱۹۷۳ء۔

سرفراز قومی پریس لکھنؤ۔

۳۴۔ مثنوی حزنِ اختر۔ مطبع سلطانی کلکتہ۔

۳۵۔ مثنوی حزنِ اختر۔ دائرہ ادبیہ۔ مطبوعہ نول کشور پریس لکھنؤ۔

۳۶۔ مثنوی عالم۔ نواب عالم آرا بیگم عالم۔ اشاعت ۱۸۹۱ء۔

مطبع نامی لکھنؤ۔

Marfat.com

۳۷۔ محل خانۂ شاہی ۔ مرزا فدا علی خنجر لکھنوی ۔ اشاعت ۱۹۳۴ء۔ مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ۔

۳۸۔ ناسخ ۔ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نونہروی ۔ اشاعت ۱۹۷۵ء ۔ یونائیٹڈ انڈیا پریس لکھنؤ۔

۳۹۔ نذر مقبول ۔ خیر بہوروی ۔ اشاعت ۱۹۷۰ء ۔ مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ۔

۴۰۔ نیا دور ۔ ماہ اگست ۱۹۷۸ء ۔ مطبوعہ نیو گورنمنٹ پریس لکھنؤ۔

۴۱۔ واجد علی شاہ اور ان کا عہد ۔ رئیس احمد جعفری ۔ مطبوعہ یونائیٹڈ انڈیا پریس لکھنؤ۔

۴۲۔ واجد علی شاہ ۔ ڈاکٹر محمد تقی احمد ۔ اشاعت ۱۹۷۸ء ۔ مطبوعہ نظامی پریس لکھنؤ۔

ہندی

۴۳۔ واجد علی شاہ ۔ آنند ساگر شریشٹھ ۔ اشاعت ۱۹۶۱ء ۔ مطبوعہ نیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی۔

۴۴۔ واجد علی شاہ اور اودھ راجیہ کا پتن ۔ برج موہن ورما ۔ اشاعت ۱۹۵۹ء ۔ مطبوعہ سمیلن پریس پریاگ۔

۴۵۔ ولیسیزلی کا لین بھارت ۔ کماری چندراولی گپتا ۱۹۷۰ء ۔ سادھنا پریس گوالیار۔

انگریزی

۴۶۔ اودھ اینڈ واجد علی شاہ ۔ جی۔ ڈی۔ بھٹناگر ۱۹۶۸ء ۔ بھارتیہ ودیا پرکاشن، وارانسی۔

۴۷۔ اے کنسائز ہسٹری آف دی انڈین پیپل ۔ ایچ۔ جی۔ رالنسن ۱۹۵۶ء ۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس مدراس۔

۴۸۔ اوٹ لائنز آف انگلش ہسٹری ۔ سیموئل آر۔ گارڈنر ۱۹۰۱ء

Marfat.com

لانگ مینس، گرین، اینڈ کمپنی لندن۔

۴۹۔ برٹش ریذیڈنٹس ایٹ دی کورٹ آف اودھ۔ صفی احمد
۱۹۶۸ء۔ اودھ ہسٹری ریسرچ سنٹر لکھنؤ۔

۵۰۔ کوئین وکٹوریہ۔ لیٹن اسٹریچی ۱۹۵۸ء۔ ایلائیڈ پبلشرز پرائیویٹ
لمیٹڈ۔ بمبئی۔

Marfat.com